

نے جیسے دیوار سے کان لگا دیے۔
 ”کون ڈاکٹر شیرازی؟“ بھیا پوچھ رہے تھے۔
 ”تم شاید نہیں جانتے“ اماں سوچتے ہوئے بولیں۔
 پھر اُن کی آواز اور دھیمی ہو گئی۔ وہ شاید آنا اور
 بھیا کو ڈاکٹر شیرازی کے باسے میں بتا رہی تھیں اور آسیلا
 کو اُن کے باسے میں جانے کی ضرورت نہیں تھی، پھر
 بھی وہ یہ ضرور جاننا چاہتی تھیں کہ اُن کی والدہ کیوں
 آئی تھیں اور اس وقت نووہ باوجود کوشش کے
 اماں کی باتیں نہیں سن سکیں، لیکن صبح کو آنا اور بھیا
 کے جانے کے بعد ہی وہ اماں کے پاس آ بیٹھیں۔
 ”اماں! کل ڈاکٹر شیرازی کی والدہ کس وقت

اپنے تئیں اماں، آبا اور بھیا اپنی آوازیں دبا
 کر بات کر رہے تھے، لیکن ساتھ والے کمرے میں بیٹھی
 آسیلا بخوبی سن رہی تھیں۔ پہلے انہوں نے زبانیہ توجہ
 نہیں دی کیونکہ وہی پڑائی باتیں تھیں اور مایوسی بنانا میری
 اور نہ جانے کیا کچھ۔ پھر چونکہ اماں نے نا اُمیدگی کے
 اندھیروں میں جیسے اُمید کی کرن جلادی۔
 ”آج ڈاکٹر شیرازی کی والدہ آئی تھیں۔“ بتا نہیں یہ
 بات اماں کے ہونٹوں سے نکل تھی یا اُن کے اندر کی
 خواہش جو حسرت بن گئی تھی پھر سے بیدار ہو کر ان کی
 سماعتوں کو دھوکا دے گئی تھی۔ بہر حال سنی کو تھپکتا
 اُن کا ہاتھ وہیں ٹھہر گیا اور سانس روک کر انہوں

نگہتہ عجب اللہ

کچھ بکھرے ہوئے
 کچھ بکھرے ہوئے



آئی تھیں؟

ان کے پوچھنے پر اماں چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگیں۔ شاید انہیں اُمید نہیں تھی کہ آسیہ بی بی بڑا جھک ڈاکٹر شیرازی کے بارے میں بات کرنے لگیں گی۔

”بتائیں ناں اماں! آسیہ بی بی نے اصرار سے پوچھا۔ تب انہیں احساس ہوا کہ یہ پانچ سال پہلے والی آسیہ نہیں ہے۔ جب ڈاکٹر شیرازی کے بارے میں بتاتے ہوئے جیسے ان کی گردن اس قدر جھک گئی تھی کہ پھر مہینوں وہ اماں کے سامنے پلکیں جھک نہ اٹھا سکی تھیں۔ اب بھی ان کے انداز میں بے باکی نہیں تھی بلکہ بیٹے کی ماں ہونے کا ستور اسازم۔ اماں سمجھ گئیں اب ان کے بارے میں کچھ بھی سوچنے سے پہلے ان کی مرضی معلوم کرنی ضروری ہوگی۔ پھر بھی ٹانے کی غرض سے بولیں۔

”غالباً تم اُس وقت پڑوس میں گئی ہوئی تھیں۔“
”کیوں آئی تھیں؟“
”تھامے لیے۔“

”میرے لیے۔“ اپنی طرف اشارہ کر کے آسیہ بی بی سمجھ کر بھی نہیں سمجھ رہی تھیں۔
”ہاں! شیرازی کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔“
اماں نے بول کر کہا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ جبکہ آسیہ بی بی ٹانے میں آ گئیں۔

”اب۔۔۔ اب اماں جب تقدیر نے میرے سر پر بیوگی کی چادر افٹھا دی، میری گود میں بچتے۔۔۔“
”یہ سب مقدروں کے کھیل ہیں بیٹیا! شاید اُدھر والے کو اسی طرح منظور تھا۔“ اماں گہری سانس لے کر بولیں۔

”لیکن آپ نے ان سے پوچھا نہیں کہ جس چوکھٹ بے آناوہ اپنی شان کے خلاف سمجھتی تھیں، اس پر اب کیسے چلی آئیں؟“
”بیٹا! اماں کتنی دیر ان کی طرف دیکھتی رہیں پھر بے بسی سے بولیں۔

”تم ندان نہیں ہو میری جان! خود سوچو کہ تمہارے سر پر رکھی سفید چادر یہ ساری باتیں پوچھنے کی اجازت دیتی

ہے۔ ناں اگر تمہارے ساتھ یہ۔۔۔ نہ ہوتا۔۔۔ تب پانچ تو کیا دس برس بعد بھی وہ آتیں تو میں ان سے ضرور پوچھتی، لیکن اب میں مجبور ہوں تمہارے لیے آیا ہوا کوئی بھی ختام محض اس لیے مسترد نہیں کر سکتی کہ انہوں نے پہلے تمہارے لیے دامن کیوں نہیں پھیلایا تھا۔ اب تو میں آنے والے کی شرافت کا یقین کرنا ہے اور بس۔“

”میں اور سنی آپ پر بوجھ میں اماں؟“ آسیہ بی بی دعا مانگی ہو گئیں۔
”نہیں بیٹا! بوجھ کیوں ہونے لگے۔“

”پھر آپ میری دوبارہ شادی کا خیال چھوڑ کیوں نہیں دیتیں؟“
”کیسے چھوڑ دوں، کوئی اتنی عمر تو نہیں ہے تمہاری۔ ہمارا کیا بھروسہ آج ہیں، کل نہیں، پھر آگے پہاڑی زندگی کس کے سہارے گزارو گی؟“

”سنی ہے ناں! آسیہ بی بی کے بچے میں ماما کے ساتھ وہ زلم بھی سمٹ آیا جو ایک عورت بیٹے کو جنم دیتے ہی حاصل کر لیتی ہے۔“
”سنی سال بھر کا بچہ اسے خود نہ صرف تمہارا بلکہ باپ کا سہارا بھی چاہیے۔“

”باپ کا یہ آسیہ بی بی کی آنکھیں نم ہو گئیں۔
”کیا کوئی میرے بچے کو بد رائہ شفقت دے سکتا ہے؟“
”کیوں نہیں، اچھے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ اور میں سمجھتی ہوں، جو خود اولاد والا ہوگا، اسے تمہاری اولاد کا احساں بھی ضرور ہوگا۔“
”کیا ڈاکٹر شیرازی۔۔۔؟“ آسیہ بی بی پُر سوچ انداز میں اسی قدر کہہ چکیں۔

”ہاں، ایک بیٹی ہے ان کی چار سال کی! اماں بوی بتانے لگیں جو ڈاکٹر شیرازی کی والدہ انہیں بتا کر گئی تھیں۔“
”ان کی بیوی گزشتہ سال الٹو کو پیاری ہو گئیں۔ وہ دوبارہ شادی پر رضامند نہیں تھے، لیکن جب ان کی والدہ نے تمہارا نام لیا تو خاموش ہو رہے۔“
”آپ نے انہیں بتلایا ہے ناں کہ میں اب ایک بچے کی ماں ہوئی؟“

”ظاہر ہے، یہ کوئی چھپانے والی بات ہے، بلکہ میں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ اگر شیرازی بچے کے ساتھ تمہیں قبول کرتے ہیں تو ٹھیک ہے، ورنہ

دوبارہ یہاں آنے کی زحمت نہ کریں ۱۵ اماں کی بات
 آئیہ بی کو قد سے اعلیٰ بن ہوا۔
 شاید قسمت میں آئیہ بی اور ڈاکٹر شیرازی کا ملن
 اسی طرح نکھا تھا کہ پہلے دونوں الگ الگ راستوں
 کے مسافر ہوئے پھر جب منزل ایک ہوئی تو دونوں
 کے دامن میں مسافرت کے نشان موجود تھے۔
 آئیہ کی گود میں سال بھر کا سنی اور شیرازی کے دست
 شفقت تلے چار سالہ فرہ تھی۔ گوکہ بہت زیادہ عرصہ
 نہیں گزرا تھا۔ بس پانچ سال پہلے کی ہی بات تھی، پھر
 جی آئیہ بی کو ڈھنگ سے یاد نہیں تھا کہ ڈاکٹر شیرازی
 سے ان کی ملاقات کب، کہاں اور کن حالات میں ہوئی
 تھی۔ البتہ یہ اچھی طرح یاد تھا کہ وہ پہلی بار سامنا ہونے
 پر ہی آئندہ کی بات کرنے لگے تھے۔ پہلے کچھ جھجک
 کر اور گھما پھر اگر اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا، پھر ایک دم
 صاف لفظوں میں کہہ گئے تھے۔

”میں آپ سے دوبارہ بلکہ بار بار ملنے کا ہمتی ہوں۔“
 ان کی شخصیت میں جانے کیسا سحر تھا کہ آئیہ بی
 نہ نہ کرتے بھی ہاں کہہ گئی تھیں۔ پھر بس چند ماہ ہی دونوں
 جنتوں کی حسین رہ گزر رہیں۔ ساتھ چلنے کی باتیں کرنے لگے
 تھے کہ دوریاں مقدہ ہو گئیں۔ آئیہ بی کے لیے راشد خان
 کا پروپونڈ آیا، تو انہوں نے پریشان ہو کر ڈاکٹر شیرازی
 کو بتایا اور ڈاکٹر شیرازی نے اسی روز گھر میں اپنی
 والدہ سے آئیہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنی اس خواہش
 کا اظہار بھی کیا کہ وہ آئیہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔
 ان کی والدہ کو یوں تو کوئی اعتراض نہیں ہوا لیکن
 جب یہ معلوم ہوا کہ آئیہ بی متوسط طبقے کے بہت
 غام سے گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں، تو انہوں نے
 اس چوکھٹ پر جانے سے صاف انکار کر دیا اور شیرازی
 جنہوں نے کبھی والدہ کے سامنے سہرا نہ کیا کہ بات
 نہیں کی تھی، ان کے صاف انکار پر اگر خاموش نہیں
 رہ سکے تھے، تو انہیں قائل بھی نہیں کر سکے تھے پھر
 یہ ان کی شرافت یا سادگی ہی تھی کہ انہوں نے آئیہ
 کو کسی آسے میں رکھنے کے بجائے صاف لفظوں میں
 معذرت کرتے ہوئے کہہ دیا تھا۔
 ”مجھے افسوس ہے آئیہ! میں اتنی جاں کو قائل نہیں

کر سکا۔ میں تمہیں انصاف کر کے کہہ رہا ہوں کہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا
 کیونکہ میں جانتا ہوں کہ دس برس بعد بھی تمہارا نام لوں
 گا، تو اتنی انکار کی کہیں گے گود میں اگر ان کی فرخ کے
 خلاف کوئی قدم اٹھانے کی جرأت رکھتا بھی ہے تب
 بھی مجھے معاف کرنا کہ میں اپنی ماں کو ناراض نہیں
 کر سکتا۔“

اور آئیہ بی نے یوں کہہ کر آنے سے پہلے ہی
 سارے شکوکوں کا گلا گھونٹ دیا تھا کہ وہ کفایت
 عمل پر یقین رکھتی تھیں۔ جانتی تھیں کہ اگر آج ایک
 بیٹے کو ماں کے خلاف کھڑا کریں گی تو کل خود ان کے
 ساتھ ایسا ہو سکتا ہے۔

یوں جس خاموشی سے دونوں ایک دوسرے کی
 زندگی میں آئے تھے، اسی خاموشی سے نکل گئے تھے۔
 یہ نہیں تھا کہ دل دوا نہیں، بچلا نہیں، یہ مائے سائے
 دل پر گزرتے، لیکن دل کو سمجھانا ناممکن بھی نہیں تھا۔

یوں آئیہ بی نے جو راشد خان کے پروپونڈ پر پریشان
 ہو کر اماں کو شیرازی کے بارے میں بتا کر انتظار
 کرنے کو کہا تھا، ایک بار پھر اسی طرح سر جھکائے
 ہوئے بولی تھیں۔

”اماں! ڈاکٹر شیرازی کا انتظار فصول ہے۔ آپ
 چاہیں تو راشد کے گھر والوں کو ہاں کہہ دیں۔“
 پھر راشد خان کے سنگد خصیت ہو کر آئیہ بی
 وہ شہر ہی چھوڑ گئیں۔ سال میں ایک آدھ بار راشد
 کو چند دن کی چھٹی ملتی، تو وہ اپنے ساتھ ہی انہیں امداد
 انا سے ملانے لے آتے تھے۔
 زندگی میں اگر مکمل طور پر طمانیت نہیں تھی تو کوئی اتنی
 بے اطمینانی بھی نہیں تھی۔ گھر داری میں مصروف رہ کر وہ کافی
 کچھ فراموش کر چکی تھیں۔

شادی کے چوتھے سال انڈیا میں نے جہاں انہیں
 ایک بیٹے سے نوازا، وہاں چند دن بعد سائبل چین
 آیا اور آئیہ بی کی نگاہ میں نہیں آتا تھا کہ برسوں بعد
 سونی گود بھر جانے کی خوشی متائیں یا سرنگا ہو جانے
 کا ماتم کریں۔ اسی حالت میں دوبارہ اماں کی دہلیز پر
 آئیں، تو مہنتوں کبھی سنی گود بچہ کر بنیں اور کبھی غلط
 میں جکے ہوئے رویا کرتیں۔

اماں کو جو ان بیٹی کا دکھ مارے ڈال رہا تھا۔ اپنا
کی کمر مزید دھری ہو گئی تھی۔ ایسے میں بھتیہ ہی تھے جنہوں
نے سب کو سہارا دیا۔ اور آسیرنی کو خاص طور سے سنی
کا احساس دلاتے ہوئے کہا کہ انہیں سنی کے لیے زندہ
رہنا ہے۔ پھر وقت خود بڑا مرجم ہے۔ آہستہ آہستہ
ہی سہی اور دے کے الاؤ سے نکال ہی لایا۔

زندگی کچھ معمول پر آئی تو اماں کو ایک بار پھر آسیرنی
کی فکر ہوئی۔ کوئی اتنی زیادہ عمر بھی نہیں تھی ان کی، بلکہ
ان کے ساتھ ک کافی روکیاں تو اب تک کنواری بیٹھی
تھیں۔ اماں ان کے عقد ثانی کے لیے چاہتی تھیں کہ
کوئی شریف خاندان کا بندہ ہو، جو سنی کے سر
پر بھی درست شفقت رکھ سکے۔ اس دوران ایک رشتہ
آیا تھا۔ جو ویسے تو ٹھیک ٹھاک تھا، لیکن اس کی پہلی
بیوی روٹھ کر بیٹھے بیٹھی تھی اور اماں کوئی رسک لینے پر
تیار نہیں ہوئیں۔ ان کا کہنا تھا، روٹھے ہوئے کبھی بھی
مان سکتے ہیں اور ایسی صورت میں آسیرنی کے لیے
خاص مشکلات کھڑی ہو جاتیں۔

پھر اب ڈاکٹر شیرازی کی والدہ آئی تھیں اور اگر جو
آسیرنی اب تک کنواری بیٹھی ہوئیں تو اماں ان سے
ضربہ پوچھتیں کہ پہلے جس جو کھٹ پر آنا انہوں نے
گوارا نہیں کیا تھا، اس پر اب کسے چلی آئیں، لیکن اماں
جبو رخصتیں کہ بیٹی نہ صرف بیوہ بلکہ گود میں بچہ بھی ہے
ہوئے تھی، پھر بھی انہوں نے اپنی واحد دختر طآن کے
سامنے ضرور دکھ دی تھی کہ بچہ، آسیرنی کے ساتھ ہے
گا۔ اگر شیرازی بچے کو محبت کے ساتھ قبول کرتے ہیں
تو ٹھیک، ورنہ وہ دوبارہ یہاں آنے کی زحمت نہ
کریں۔

پھر آسیرنی سے زیادہ اماں کو ڈاکٹر شیرازی
کی والدہ کی دوبارہ آمد کا انتظار رہا۔ اور جب تک
وہ آنے لگیں، اماں مسلسل یقین اور بے یقینی کی فضاؤں
میں ڈوبتی رہی تھیں۔ بتا نہیں کیوں انہیں یقین تھا کہ
آسیرنی، ڈاکٹر شیرازی کے ساتھ بہتر زندگی گزار سکیں
گی اور بچے کے لیے بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔
پھر حال شیرازی بچے کے سر پر درست شفقت
رکھنے کو تیار تھے اور پھر یہ کہ دونوں طرف عقد ثانی

والی بات تھی۔ اس لیے کوئی خاص وجہ دہرا نہیں
ہوا۔ بس خاص خاص عزیزوں کو بلایا گیا اور یوں
آسیرنی ڈاکٹر شیرازی کے تنگ نہمت ہو کر ان کے
گھر آ گئیں۔ یہاں بھی ان کا کوئی خصوصی استقبال نہیں
ہوا، بہت خاموشی سے انہیں شیرازی کے کمرے میں
پہنچایا گیا۔ پھر جب شیرازی کمرے میں داخل ہوئے تو
ان کا انداز بھی بہت عام سا تھا۔ بازوؤں میں پیٹی خاب
سو رہی تھی۔ انہوں نے بہت آہستگی سے اسے بیڈ پر
ٹٹایا اور اس کے کسمانے پر پاس بیٹھ کر آہستہ آہستہ
تھپکنے لگے۔ پھر جب اس کے سونے کا یقین ہو گیا تو
وہیں بیٹھے بیٹھے آسیرنی کی طرف دیکھنے لگے، جو ذرا سی
پلکیں اٹھائی کر کے ان کے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھیں، جو
بچی کو تھپکتے تھپکتے وہیں ٹھہر گئے تھے۔

اگر پانچ سال قبل ملن کی یہ رات آئی ہوتی تو یقیناً
اس کمرے کی فضا مختلف ہوتی۔ سرٹے معنی خیز مسکراہٹ
کے ساتھ اپنی طرف تکتی ہوئی لگتی۔ ایک طرف مدھسر
سرگوشیوں میں بے تابیاں ہوئیں تو دوسری طرف ہونٹوں

پر شرمگین مسکراہٹوں کی کلیاں کھلتیں، لیکن اب ایک جامد
خاموشی دونوں اپنی اپنی جگہ حیران کیا کہیں کیا سنبھلے۔
نہ بے تابیاں، نہ بے قراریاں۔ دو اجنبی بھی جب ایک جگہ
قبول کے مراحل سے گزر کر اس مقام تک آتے ہیں
تو اجنبی نہیں رہتے اور یہاں اثنا صاحب تھا کا جینی نہ
ہوتے ہوئے بھی اجنبی بن رہے تھے۔
”کیسی ہیں آپ؟“ کافی دیر بعد شیرازی نے ایک
رسی سا جملہ بول کر خاموشی کو توڑا، تو وہ سر اٹھا کر ان کی
طرف دیکھنے لگیں۔

ان کے مزاج میں شوخی و رنگینی تو پہلے بھی نہیں تھی
لیکن اب تو کچھ زیادہ ہی سنجیدہ لگ رہے تھے۔
”آپ کیسے ہیں؟“ جواب میں اپنی کا سوال دہرا کر
انہوں نے سر جھکا لیا، تو وہ ذرا سا مسکراتے، پھر آٹھ کر
ان کے پاس چلے آئے۔

”آسیرنی! ہم زندگی کے جن امتحانوں سے گزر کر
ایک دوسرے تک آئے ہیں، وہ امتحان ابھی ختم نہیں
ہوئے، بلکہ زندگی کی آخری سانسوں تک ہمارے
ساتھ ساتھ چلیں گے۔“

وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں تو وہ وضاحت کرتے ہوئے کہنے لگیں۔

”مجھے سنی کا باب بننا ہے اور آپ کو شرہ کی ماں یہی جلا امتحان ہے اور ہم اس میں کہاں تک کا سبب ہوتے ہیں، اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔“

”میں شرہ کو سنی کی طرح عزیز رکھوں گی یا سیہ فوراً؟“
 بلکہ ان کی طرف دیکھنے لگیں کہ جواب میں وہ بھی وہی بات کریں گے۔ سنی کو شرہ کی طرح عزیز رکھنے کی، لیکن وہ خاموش رہے، پھر اٹھتے ہوئے صاف گولی سے بولے۔

”میں خودی طہر پر ایسا کوئی دعو نہیں کر سکتا، البتہ کوشش کروں گا کہ بچے کو کسی کمی کا احساس نہ ہو۔“
 یہ کہہ کر وہ ڈرینگ روم میں چلے گئے اور آسیہ بی کے اندر ابخانے اندھے سر اٹھانے کو تیار تھے کہ پھر فوراً انہیں یاد آیا کہ پانچ سال قبل بھی شیرازی نے اسی طرح صاف گولی سے کام لیا تھا۔ انہیں کوئی جھوٹی آس دلانے کے بجائے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ وہ کبھی بھی اُمّی کو قائل نہیں کر سکیں گے، اگر وہ

چاہتے تو ایک طویل عرصہ انہیں انقطاع کی سولہ پر رکھا سکتے تھے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اپنی بہت کا گوا گھونٹ کر ان سے دستبردار ہو گئے تھے، لیکن آج پھر وقت انہیں قریب لے آیا تھا اور اس مقام پر بھی وہ کوئی جھوٹا دعو کرنے کے بجائے صاف بات کر گئے تھے۔ ان کی صاف گولی گو کہ تکلیف دہ تھی، پھر بھی گہری بات یاد کر کے آسیہ بی نے یقین کا دامن تھام لیا کہ آج نہیں تو آسنے والی کسی بھی کل شیرازی بھی دعو ضرور کریں گے۔

یہ گھر جتنا بڑا تھا۔ اس کے مکینوں کی تعداد بھی کافی تھی شیرازی کے بڑے بھائی ان کی بیوی اور دو بچے۔ شیرازی سے چھوٹے بھائی بھی اپنی بیوی اور دو بچوں کے ساتھ یہیں مقیم تھے۔ ہر ایک کے ہتھے میں وہ دو کپے تھے۔ ساتھ آٹک آٹک کپڑے بھی تھے، لیکن وہ اسی وقت استعمال ہوتے تھے جب ان کے اپنے آٹک سے کوئی جھان آتے اور نہ کھانا ایک ہی جگہ پکنا اور ایک ہی جگہ کھایا جاتا تھا۔ اور اس پوسے گھر کا انتظام ان کی اُمّی جان ہی

کے ہاتھ میں تھا۔ ان کے قینوں بیٹے بیوی بچوں کو اسے ہونے کے باوجود ان کے سامنے سر اٹھا کر بات نہیں کرتے تھے۔ ان کی ہر بات کو یا حکم کا رد جلد ہی تھی۔ اس کے علاوہ شیرازی کی زمین نہیں بھی تھیں۔ دو تو اپنے گھر بار والی تھیں اور سب سے چھوٹی بیٹا بی۔ اسے میں بڑا حد ہی تھی۔

جس طرح بیٹے ماں کی کسی بات سے اختلاف نہیں کرتے تھے، اس طرح بہو میں بھی ان کی تابعدار تھیں۔ گو کہ اُمّی جان سخت گیر قانون نہیں دیکھی، لیکن ان کا اندازہ ہی کچھ مختلف سا تھا۔ لہجہ ٹھہرا ہوا اور نظروں میں ہمہ وقت تنہی پر چھائیاں رکھنے کی نظر آتیں کہ مقابل بولنے سے پہلے سوچنے پر مجبور ہو جاتا۔ پھر آسیہ بی کے ساتھ مختلف معاملہ بولتا تھا کہ وہ بار کر جیتی تھیں اور ان کے مقابلے میں اُمّی جان جیت کر ہاری تھیں اور اس مقام پر انہوں نے یہ سوچ کر کہ کبھی آسیہ اپنی جیت کو ان پر جتانے سے اپنا رو تہ سخت کر لیا تھا، گو کہ آسیہ بی ایسی خرات بھی نہیں کر سکتی تھیں، بلکہ انہوں نے تو اس انداز سے

شوکت تھانوی کی مزاحیہ کتابیں

خطی	مسکرامیں	ہم زلف
30/-	12/-	30/-
پہیلی بیگم	مکرر ارشاد	پنگی
20/-	12/-	15/-
خواہ مخواہ	لاحول لا قوۃ	بہر و پیا
30/-	15/-	6/-

سورپڑ سے زائد قیمت کی کتابیں منگوانے پر 20% رعایت

پوسٹ بکس 586

شفیع برادرز کراچی 74200

گنہگار ہے۔

بہرہ اب تک وہاں کیوں ہے؟

مجھے آپ کی اجازت دے کر دینی دینے نہیں آسکتی
انہیں معتبر کر دی تھیں، لیکن انہیں شاید اس متوسط طبقے
کی لڑکی کی طرف سے دی گئی سبتری کی ضرورت نہیں تھی۔
بجائے مذمت کرنے کے بجائے مزید محنت کرنے ہوئے وہ
کہنے لگیں۔

اجازت کیسی، جبکہ تم تو اسے نکاح میں اپنے ساتھ
لکھوالا تھیں اور اس لحاظ سے ہم اسی وقت اس کی
پرورش کرنے کے پابند ہو گئے تھے۔

آسیہ بی کا دل چاہا، وہ اسی وقت انہیں اس
پابندی سے آزاد کر دیں اور کہیں، مجھ میں اتنی بہت
ہے کہ میں اپنے بچے کو خود پرورش کر سکوں، لیکن پھر
یہ گھرایہ سا ثبوان اور بقول اماں کے اب آسیہ بی کے
لیے اس سے ہٹ کر کہیں جائے پناہ نہیں تھی پھر ابھی
انہیں یہ مان بھی حاصل نہیں تھا کہ وہ رو نہیں لگی، تو
کوئی مناسب مناسبت ملے گا، اس لیے دکھ کے احساس
کو اندر ہی اندر دباتے ہوئے بولیں۔

”یہ آپ کی اعلاطرافی ہے اتنی جان کہ میرے بچے
کے سر پر دست شفقت رکھ رہی ہیں۔ اگر آپ کہیں
تو میں آج ہی اسے لے آؤں۔“

”ہاں، اتنی جان نے گویا احسان کیا۔“

وہ شکر بہہ کتے ہوئے ان کے کمرے سے نکل آئیں۔
پھر شام میں کلینک جاتے ہوئے شیرازی انہیں
اپنے ساتھ لے گئے اور واپسی میں وہ سنی کو اپنے ساتھ
لے آئیں۔

سال بھر کا سنی اتنے دن ماما سے دور رہ کر کھلا
ساگیا تھا انہیں اپنے بچے پر بے طرح پیار آیا۔ تمام
راستہ بھی اسے سینے سے چٹائے رکھا اور گھر آکر بھی
کتنی دیر تک اس میں لگی رہیں۔ جب اس کے سونے کا
وقت ہوا تو اسے گود میں لے چھکنے لگیں۔

شیرازی نے کمرے میں آتے جاتے بہت خاموشی
سے انہیں دیکھا۔ پھر جب اپنی جگہ پر لے ٹوٹنے لگے۔
”تمہارا بچہ تو ابھی بہت چھوٹا ہے، میرا خیال تھا
شرہ کے برابر ہو گا۔“

”نہیں، ابھی پچھلے مہینے ہی تو یہ ایک سال کا ہوا ہے۔“

سو چاہی نہیں تھا، اس لیے اتنی جان کا اپنے لیے
سخت رویہ ان کی سمجھ میں نہیں آیا، جب کہ دوسری
دونوں بہنوں کے ساتھ تو وہ ٹھیک شاگ تھیں۔

شادی کے بعد ابتدائی چند دنوں میں ہی آسیہ بی جان
گئیں کہ انہیں اس گھر اور خاص طور پر اتنی جان کے
دل میں جگہ بنانے کے لیے خالص کٹھن مراحل اور صبر آزما
لمحات سے گزرنا پڑے گا۔ اس لیے ان کی اولیٰ کوئی
یہ تھی کہ ان کی طرف سے کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے۔

سنی ابھی تک اماں کے پاس تھا۔ انہوں نے مصلحتاً
بچے کو اپنے پاس روک لیا تھا کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ
مرد ابتدائی دنوں میں کسی دوسرے وجود کو برداشت نہیں

کرتا، لیکن یہاں ایک تیسرا وجود شرہ کی صورت میں پہلے
سے موجود تھا۔ گوکہ شرہ زیادہ آرامی جان کے پاس رہتی
تھی، لیکن جیسے ہی شیرازی کلینک سے آتے وہ پاپا پاپا

کرتی ہوتی، ان کی گود میں چڑھ جاتی۔ ایسے میں آسیہ بی کو سنی
کا خیال آتا تو متا بے چین ہو جاتی۔ ویسے بھی شادی کو
پندرہ دن ہو گئے تھے اور وہ چاہتی تھیں سنی کو اپنے

پاس لے آئیں اور یہ بھی خواہش تھی کہ اس کے لیے
شیرازی خود ان سے کہیں امدد کہنا تو دور کی بات، وہ تو یوں
انجان سے تھے، جیسے بچے کے وجود سے یکسر لاعلم ہوں۔

اور خود سے کہنا آسیہ بی کو بڑا عجیب سا لگ رہا تھا کیونکہ
بار اس راہ سے سے بات شروع کی کہ سنی کو لانے کی
بات کریں گی، لیکن ہر بار پتا نہیں کیوں بات بول تک

آتے آتے رہ گئی۔ پھر ایک دن اتنی جان کو جانے کیسے
خیال آیا انہیں بلا کر کہنے لگیں۔
”تم بچے کو اپنی ماں کے پاس چھوڑے ہوئی ہو آخر

کیوں؟“

آسیہ کے پاس اس کیوں کا جواب نہیں تھا، اس
لیے خاموشی سے سر جھکا لیا۔
”کیا تم سمجھتی ہو کہ اس کے لیے یہاں جگہ نہیں

ہے؟“

”نہیں، آسیہ بی گھر آکر بولیں۔“

”کیا نہیں؟“

”میرا مطلب ہے کہ میں ایسا نہیں سمجھتی بلکہ میرا
خیال ہے بچے کے لیے اس گھر کے علاوہ گھر
والوں کے دلوں میں بھی میری سوچ سے بڑھ کر

اس کے باپ نے اسے دیکھا یا نہیں، میرا مطلب یہی ہے۔

جہاں اس کی پیدائش سے پہلے یا۔۔۔
شیرازی! انہوں نے لوگ دیا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہنے لگیں۔

یہاں آتے ہوئے میں اپنی گزشتہ زندگی کو دہلیں
چونکہ آتی تھی بلکہ دفن کر آتی تھی، اس لیے نہیں کہ اس
میں کوئی کمی تھی یا محرومی تھی بلکہ آئندہ زندگی کی بہتری
کے لیے۔ آپ سوچیں، اپنی مرحومہ بیوی کو علی الاطلاق
بلوچوں کے تو اسے آپ کی اس کے ساتھ وفاداری
نصو دیکھا جائے گا، بلکہ تو جس شائیں بھی دیں گے، اس
کے برعکس میرے ہونٹوں پر اگر کبھی جھوٹے سے بھی میرے
مرحوم شوہر کا نام آگیا تو اسے میری آپ کے ساتھ
بددیانتی قرار دیا جائے گا، اس لیے کہ میں عورت ہوں
اور ساری مجبوریاں عورت ہی کے نصیب میں رکھی گئی
ہیں، لیکن یہ مدت جھوٹے لگا کہ میں ایک ماں بھی ہوں
اور ماں بنتے ہی عورت ساری مجبوریوں، ساری محرومیوں
کو شکست دینے کا حوصلہ پیدا کرتی ہے۔

کیا کہنا چاہتی ہو تم؟ شیرازی تیکہ او پکار کے
خود بھی اوتھے ہو کر بیٹھے اور لغو آن کی طرف دیکھنے
لگے تھے۔

میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ میں نے اس لیے
شادی نہیں کی تھی نہ اپنے کی پرورش نہیں کر سکتی تھی بلکہ
اس لیے کہ بچہ کسی محرومی کا شکار نہ ہو۔ ابھی یہ بہت
چھوٹا اور معصوم ہے اس بات سے بیکسر لاعلم ہے کہ
اس کا باپ کون ہے اور میرا دوبارہ اتنی جلدی شادی
کر لینے کا مقصد ہی یہ ہے کہ جو شخص اس کے سامنے
آئے گا یہ اسے ہی اپنا باپ سمجھے گا، اگر میں صرف اپنے
بالے میں سوچتی تو ہو سکتا ہے اگلے دس سال تک مجھے
شادی کا خیال نہ آتا، لیکن اس وقت بچہ کسی دوسرے
شخص کو متعلق ہی سے قبول کرتا اور اس کی شخصیت
وہ حصوں میں تقسیم ہو جاتی اور ایسا میں نہیں چاہتی تھی و
اور اب تم کیا چاہتی ہو؟

میرے پاس اس بچے کے لیے کوئی بے چارے کے مطابق
نہیں ہیں، میں تو صرف اتنا چاہتی ہوں کہ ابھی جو آپ نے
اسے تمہارا بچہ کہا، تو آئندہ ایسی غلطی مت کیجیے
کہ یہ ہمارا بچہ ہے، ہم دونوں کا جس طرح ثمرہ جاری

اچھا! وہ بچے سے کہنے۔
اگر میرے منہ سے انجانے میں کوئی غلط بات نکل
گئی ہے تو اس سے اپنے طور پر اندازے لگانا مت
خروج کرو۔ یہ واقعی ہمارا بچہ ہے۔ تم نے یہ کیسے سمجھ
لیا کہ میں ایک معصوم سے دلچسپی کوئی ملاوت رکھوں
گا۔

آسیہ بی آن کی بات سن کر قدرے مایوس ہوئیں پھر
کہنے لگیں۔

آج اتنی جان بھجے تھیں کہ انہوں نے بچے کی
ذمہ داری قبول کی ہے۔

دیکھو آسیہ! شیرازی پوری طرح اٹھ کر بیٹھ گئے۔
اتنی جان کی بات مت کرو، ان کے ہاتھ میں ابھی کھوں
کا کہ تم ہیں ان کی بات سن لیا کرو۔

لیکن مجھے لگتا ہے، وہ مجھ سے خوش نہیں ہیں۔
یہ محض تمہارا وہم ہے، ورنہ ایسی کوئی بات نہیں
قدرے توقف کے بعد کہنے لگی۔

میں یہاں ایڈجسٹ ہونے میں کچھ وقت لے گا
پھر بھی کوئی دشواری پیش آئے تو پلے میری خاطر آسید
مجھے پس آپ کا ساتھ چاہیے شیرازی! پھر کوئی بھی
دشواری، دشواری نہیں رہے گی۔

اپنی بات کے جواب میں کیا سننا چاہتی ہو؟ شیرازی
نے خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ نظریں آن پر جما
دیں، تو وہ آن کی طرف دیکھ گئیں۔ کیا کہیں کہ جو سننا چاہتی
تھیں، وہ تو آن کی نظریں کہہ ہی رہی تھیں۔

آسیہ بی چاہتی تھیں کہ ثمرہ آن سے مانوس ہو جائے
وہ حقیقتاً اسے اپنی مامتا کی چٹاول میں لینا چاہتی تھیں۔
لیکن پتا نہیں کیوں اتنی جان اسے زیادہ تر اپنے پاس
رکھتیں۔ اس کے چھوٹے مٹے کام ہی خود ہی کیا کرتی
تھیں۔ کئی بار آسیہ بی نے خود سے براہ کر کہا کہ لائے
میں کروں، لیکن اتنی جان نے صاف منع کر دیا۔ پھر جب
ثمرہ اسکول جانے لگی تب شاید صبح والی جاگ دوڑانی
جان سے نہ ہو سکی اور ثمرہ کو نو بیفارم وغیرہ تھاکر آسیہ بی
کے کمرے میں بھیج دیا۔

آئی! مجھے تیار کر دیں! ثمرہ نے پہلی بار انہیں غلب

کیا بھی تو آئی کہہ کر۔

انہوں نے حیران ہو کر شیرازی کی طرف دیکھا، پھر
ثمرہ کو گود میں اٹھایا۔

”ہیٹا! آئی نہیں، میں تمہاری مٹی ہوں۔“

”نائیں۔“ پتی نے سر کو ذرا سے نفی میں ہلایا۔

”داوی جان نے کہا ہے، آپ آئی ہیں۔“

”اچھا!“ آسیہ بی نے مزید کچھ کہنے کا اذہ ترک کر
دیا۔ کیونکہ وہ جان گئی تھیں کہ اُمّی جان کی بات سے کوئی
اختلاف نہیں کر سکتا۔ بہر حال انہیں ذکر ضرور ہوا تھا، اسی
بے بہت خاموشی سے ثمرہ کو تیار کیا۔ پھر اپنے ساتھ لے
جا کر ناشتا کرایا۔ اسے میں اس کی اسکول وین آگئی۔ اسے
بجھ کر دوبارہ گھر سے میں آئیں، تو اُسی خاموشی سے شیرازی
کے کپڑے لنگال کر پریس کرنے لگیں۔

شیرازی نے نہ صرف ان کی غیر معمولی خاموشی کو
محسوس کیا، بلکہ سبب بھی جان گئے تھے۔ وہ کپڑے
پریس کر کے گھر سے جانے لگی تھیں کہ شیرازی
پکار کر کہنے لگے۔

”سنو! چھوٹی چھوٹی باتوں کو اپنے آپ پر طاری مت
کیا کرو، انہوں نے شاکی نظروں سے دیکھا۔
”ثمرہ تمہیں آئی کہے یا مٹی، اس سے کیا منسوق
پڑتا ہے؟“

”کیا واقعی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا؟
”میرا خیال ہے۔“ شیرازی کندھے اچکا کر رہ
گئی۔

”مجھے واقعی کوئی فرق نہیں پڑے گا شیرازی، لیکن
ثمرہ کو ضرور پڑے گا۔“
اس کے ساتھ ہی وہ گھر سے نکل گئیں۔

پھر یہ ان کی محنت تھی کہ ثمرہ چند دنوں میں ہی
ان سے ملکوس ہو گئی۔ نہ صرف صبح کے وقت بلکہ اسکول
سے آنے کے بعد بھی زیادہ تر ان کے گرد منڈلاتی رہتی
اور یہی بات اُمّی جان کو پسند نہیں آئی۔ حالانکہ انہیں
خوش ہونے کے ساتھ مطمئن ہو جانا چاہیے تھا، کہ
آسیہ بی اپنی اولاد کی طرح اس سے محبت کرتی تھیں۔
اس کا خیال رکھ رہی تھیں، لیکن شاید وہ آسیہ بی کی
اہمیت تسلیم کرنا چاہتی تھیں نہ ہی انہیں سرخرو
دیکھنا چاہتی تھیں۔ غالباً ان کا خیال تھا کہ آسیہ بی

ثمرہ کے ساتھ سوتیلی ماؤں جیسا سلوک کریں گی، تو
انہیں ٹوکنے کا موقع مل جائے گا، لیکن سب اس کا کوئی
موقع ملا نہ نہیں آیا اور نہ ہی ان کے باپ بارش کرنے
کے باوجود ثمرہ، آسیہ بی کے گرد منڈلانے سے باز آئی
تو وہ ان دونوں کے درمیان فاصلہ پیدا کر کے
اور طریقے سوچنے لگیں۔ خاصگی حکمت عملی سے کام
لیا تھا انہوں نے کہ سانب بھی مر جائے اور لاسٹی
بھی نہ ٹوٹے۔ جب آسیہ بی نے ایک۔۔۔ پٹے کو
جنم دیا، تب وہ شیرازی سے کہنے لگیں۔
”میرا خیال ہے ثمرہ کو مری کا فونیٹ میں داخل
کر دیا کرو میں ہاسٹل میں اس کی رہائش کا انتظام کر دوں
شیرازی تو دیکھیں، سوچتے رہ گئے جبکہ آسیہ بی
کے لبوں سے بے اختیار پھیل گیا۔
”دیکھیں اُمّی جان؟“

”میں تمہاری وجہ سے کہہ رہی ہوں۔ میں بچوں
کو سنبھالنا خاصا مشکل ہو گا۔ ثمرہ اسکول جانے والی
ہے۔ تم چھوٹے کود دیکھو گی یا۔ اور پھر ابھی تو تم
خود بستر پر پڑی ہو۔“

”میں اکیلی نہیں ہوں اُمّی جان آپ میں، بھابی
جان وغیرہ ہیں اور پھر چند دنوں کی تو بات ہے۔
”چند دنوں کی بات نہیں ہے۔“ اُمّی جان کا ہوج
ہیے ہی بدلا، شیرازی نے آسیہ بی کو خاموش رہنے کا
اشارہ کیا، پھر اُمّی جان سے کہنے لگی۔

”اگر آپ یہی مناسب سمجھتی ہیں تو جھٹک ہے ثمرہ
کو مری کا فونیٹ میں داخل کر دیتا ہوں۔“
”ہاں ثمرہ کے لیے یہی بہتر ہے۔“ اُمّی جان نے کہا
اور گھر سے نکل گئیں تو آسیہ بی، شیرازی پر نظریں
جماتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگیں۔

”نہیں شیرازی! ثمرہ کے لیے یہ بہتر نہیں ہے آپ
اس معصوم بچی کو کیوں خود سے الگ کر رہے ہیں؟“
”یہ اُمّی جان کا حکم ہے۔“

”جھٹک ہے، لیکن ثمرہ بھی آپ کی اولاد ہے اُمّی
جان کا حکم مانتے ہوئے آپ کو ثمرہ کی ذات سے نظریں
نہیں پڑانی چاہئیں۔“

”ان کے خاموش رہنے پر کہنے لگیں۔
”اس گھر میں میں پہلی عورت نہیں ہوں جس کی

اور میں تیسرا بچہ آیا ہے۔ مجھ سے پہلے دو عورتیں اور
 ہیں جنہوں نے سال سال پر ہفتے پیدا کیے ہیں، ان
 کے نوکیلے بچے کی ہاشل نہیں بچھا گیا پھر ہماری پتی کو ہم
 سے الگ کرنے کا حکم کیوں سنایا گیا ہے؟

”پھر آئیہ! شیرازی کچھ جھجھکتے گئے۔
 ”مجھے ان باتوں میں مت الجھاؤ۔ اتنی جان نے کچھ
 سوچ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہوگا اور میں سمجھتا ہوں ان کے
 فیصلے کبھی غلط نہیں ہوتے۔“

آئیہ بی نے تاسف بھری نظروں سے انہیں دیکھا
 پھر کروٹ بدلتے ہوئے سوچا۔
 ”کاش ثمرہ نے میری کوکھ سے جنم لیا ہوتا تو آج
 میں خود اتنی جان کے فیصلے سے ٹکرا جاتی۔“

آئیہ بی نے ثمرہ کو جنم نہیں دیا تھا۔ اس کے باوجود
 وہ اس کے جانے سے بے حد آزرہ تھیں۔ شیرازی
 کو پتا نہیں اندازہ تھا یا نہیں، لیکن وہ اچھی طرح جانتی
 تھیں کہ اس طرح ثمرہ کی شخصیت کسی نہ کسی پہلو سے ضرور
 ادھوری رہ جائے گی۔ ان کی جگہ اگر اس کی سگی ماں ہوتی
 تب اور بات تھی۔ اب جیسے جیسے وہ بڑی ہوگی یقیناً
 اس انداز سے سوچے گی کہ کسے سوتیلی ماں کی وجہ سے
 گھر سے دھور ہٹا دیا اور آئیہ بی نے سوتیلی ماں بننے
 کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ اس بات پر
 ایمان رکھتی تھیں کہ جو چیز اپنے لیے پسند کرو، وہی دوسروں
 کے لیے پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ جس طرح وہ سنی کے لیے
 سوچتی تھیں، ویسا ثمرہ کے لیے نہ چاہیں۔

”میں ثمرہ کو سنی کی طرح عزیز رکھوں گی۔ انہوں
 نے اول روز شیرازی سے یوں ہی نہیں یہ بات کہہ دی
 تھی۔ انہیں واقعی ثمرہ بے حد عزیز تھی اور وہ چاہتی تھیں
 کہ ان کے بچوں میں کوئی فرق نہ رہے، لیکن اتنی جان
 نے ثمرہ کو دودھ کر کے اس فرق کو نہ صرف واضح بلکہ شاید
 ہمیشہ قائم رکھنے کی کوشش کی تھی۔ بہر حال آئیہ بی اس
 اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتی تھیں، سوائے کڑھنے کے۔
 وقت اپنی مخصوص رفتار سے گزرتا رہا۔ اگلے چار
 پانچ سالوں میں آئیہ بی نے دواور بیٹوں کو جنم دیا۔
 یوں ثمرہ کے لیے ان کے دل میں محبت کی جڑیں آپ
 ہی آپ اور مضبوط ہو گئیں۔ ثمرہ سال میں ایک بار

بیس چھٹیوں میں آتی تھی۔ اس عرصے میں وہ اس کے بہت
 ناز اٹھاتی تھیں اور اب تو وہ شیرازی سے کہنے لگی تھیں کہ
 سنی اور سعد اسکول جانے لگے ہیں۔ چھوٹے دونوں بھی
 آتنا تنگ نہیں کرتے۔ ثمرہ کو سنی بلاتیں اور شیرازی
 کا ایک ہی جواب ہوتا۔

”اتنی جان جب مناسب سمجھیں گی، بلا میں گی“
 اور وہ خاموش ہو جاتیں۔

ان دنوں ثمرہ آتی ہوتی تھی اور حسب سابق آئیہ بی
 اس کی ناز برداریاں اٹھانے میں مصروف تھیں۔ اس
 وقت بھی ثمرہ نے کسٹریڈ کھانے کی فرمائش کی اور آئیہ بی
 جھٹ کچن میں پہنچ گئیں۔ حالانکہ رات زیادہ ہو جانے
 کے سبب چھوٹے دونوں سونے کے لیے سو رہے
 تھے اور شیرازی نے کہا بھی کہ پہلے ان دونوں کو ملا دو
 لیکن وہ ”بس ابھی آئی“ کہتے ہوئے چلی گئیں۔ جھٹ
 کسٹریڈ تیار کیا اور رے کر آئیں تو دیکھا، سنی کو نے میں
 چپ چاپ بیٹھا تھا، جبکہ ثمرہ۔ میڈر پر سعد اور چھوٹے
 دونوں کے ساتھ کھینے میں مصروف تھی اور شیرازی
 دلچسپی سے انہیں کھیلے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ سنی
 کو یوں الگ تھلک اور عجیب چاب بیٹھے دیکھ کر آئیہ
 کے اندر انجانا درد کر دیا۔ یقیناً دل چاہتا تھا کہ
 کہ بازوؤں میں بھر لیں، لیکن مصلحتاً نظریں چرائیں
 ہاتھ میں پکڑا پیالہ میز پر رکھتے ہوئے قدرے
 اونچی آواز میں بولیں۔

”لو بھئی، پتھو! کسٹریڈ تیار ہے، پھر سنی کو دیکھ کر
 بظاہر عام سے بچے میں کہنے لگیں۔
 ”سنی! تم وہاں کیوں بیٹھے ہو بیٹا، یہاں سناں؟
 ”نہیں تھی! ثمرہ بی بی مجھے اپنے ساتھ نہیں کھلا
 رہیں۔“

”ثمرہ بی بی! وہ حیران ہوئیں۔
 ”بیٹا! یہ تمہاری باجی ہیں، ثمرہ باجی۔
 ”نہیں! آئیہ! میں اس کی باجی نہیں ہوں۔ میں
 صرف سعد، نومی اور بیٹی کی باجی ہوں، سنی میرا بھائی
 نہیں ہے۔“
 ثمرہ نے فوراً ٹوکتے ہوئے وضاحت بھی کر دی
 کہ وہ کس کی بہن ہے اور کس کی نہیں۔
 ”تمہیں کس نے کہا کہ سنی تمہارا بھائی نہیں ہے؟“

آسیہ نے گھٹے فرش پر ٹیک لے اور کہنیاں میڈ پر لٹکتے ہوئے پوچھا۔

دادی جان نے "شرہ نے اطمینان سے جواب دیا۔
"اچھا" اندر کا دکھ ایک عجیب سی ہنسی کی صورت میں آسیہ کی ہونٹوں پر آیا اور وہ آٹھ کھڑی ہوئیں۔ ہمیشہ کی طرح شیرازی کی طرف دیکھ کر اس بات کو غلط قرار دینے کی کوشش نہیں کی۔

چپ چاپ چوٹی پیالیوں میں کسٹرڈ نکالا اور سب بچوں کے سامنے رکھ دیا پھر دوسری طرف سے آکر چھوٹے دونوں کے پاس بیٹھ کر انہیں اپنے ہاتھ سے کھلانے لگیں۔
"اچھا آئی! اب میں سونے جا رہی ہوں۔"

شرہ اپنا کسٹرڈ ختم کرتے ہی کھڑی ہو گئی۔ انہوں نے چاہا اسے یونہی جانے دیں، لیکن دل نہیں مانا۔ روزانہ کی طرح پاس بلا کر اس کی پیشانی چومی اور شب بخیر کہا۔

پھر جب سب نے کسٹرڈ کھالیا تو پیالیاں میڈ کر کچن میں رکھنے چلی گئیں۔ واپسی آکر بہت خاموشی سے بچوں کو ٹھایا اور خود بھی لیٹ گئیں۔ انہیں حقیقتاً شرہ کی باتوں سے بہت دکھ ہو رہا تھا۔ وہ جانتی تھیں اس میں شرہ کا قصور نہیں ہے، یوں اس کے لیے ان کے دل میں ایسی کوئی بات نہیں آتی، جو انہیں اس سے متنفر کرے۔ البتہ امی جان جو شرہ کے کچے ذہن میں ایسی باتیں بٹھا رہی تھیں، ان کے بارے میں وہ ضرور سوچنے لگیں کہ آخر وہ ایسا کیوں کر رہی ہیں، پھر جس طرح سنی نے اُسے شرہ بی بی کہا تھا، اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ شرہ کے مقابل سنی کو کیا مقام دے رہی ہیں۔
"آسیہ! سو گئیں کیا؟" شیرازی نے پوچھا۔

وہ آنکھیں بند کر کے سوئی بن گئیں۔
اصل میں وہ اس وقت ان سے بات نہیں کرنا چاہتی تھیں، کیونکہ ایک تو اندر جبار تھا دوسرے دل کچھ اس طرح بھرا رہا تھا کہ ہونٹ ملتے ہی آنکھیں بھی چپک پڑتیں۔ پھر اس شخص سے وہ کیا کہتیں، جو قیینا جواب میں ایک ہی جملہ کہتا۔ "امی جان جو مناسب سمجھیں گی کریں گی۔"

پھر آست تک تو انہوں نے یہ دیکھنے یا غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی کہ شیرازی کا رویہ سنی کے ساتھ کیا ہے، لیکن اب خاص طور سے نوٹ۔

کرنے لگیں شیرازی اگر سنی سے محبت نہیں کرتے تھے تو ان کے کسی انداز سے نفرت یا اس کے وجود سے ناگوارگی بھی ظاہر نہیں ہوتی۔ البتہ لاطینی ضرور تھی نہ ہی اسے کسی بات پر ٹوکتے تھے، خواہ وہ کوئی غلط کام ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ بس دیکھتے اور گزر جاتے جیسے کوئی واسطہ ہی نہ ہو جیسے ایک دم دل سے کہہ دیا۔
"میری جلا سے کچھ بھی کرے۔"

اگر وہ نادان ہوتیں تو یہ سوچ کر مطمئن ہو جاتیں کہ اچھی بات ہے، وہ میرے بچے کو کچھ نہیں کہتے، لیکن وہ نادان نہیں تھیں، اس لیے ان کے رویے نے انہیں خاصی تکلیف پہنچائی کہ جس محرومی سے سنی کو بچانے لیے انہوں نے شادی کی تھی، وہ محرومی اس کے واسطے لیٹ رہی تھی۔

انہوں نے سنی کا جائزہ لیا تو وہ بارہا انہیں یاس و حسرت کی تصویر بنا نظر آتا۔ کبھی اپنے تینوں بھائیوں میں سے کسی کو شیرازی کی گود میں چڑھے دیکھ کر کبھی سب بچوں کو کھیلنے دیکھ رہا ہوتا کوئی کہتا سنی کو بلاؤ تو بانی سب مخالفت کرتے دیکھتے۔

"نہیں سنی، ہمارے ساتھ نہیں کیسے گا؟"

کبھی امی جان سے خوفزدہ نظر آتا۔ آسیہ بی کو اپنے آپ پر حسرت ہوتی کہ وہ کیسے اتنی غافل ہو گئیں، یا انہیں یہ اعتماد کیوں رہا کہ جس طرح وہ شرہ کو اپنی ہی اولاد سمجھتی ہیں، اسی طرح اور گھر والے سنی کو بھی سعد کی طرح سمجھتے ہوں گے، لیکن یہاں تو بچہ سنی کو اپنے سے الگ سمجھتا تھا۔ انہیں بے حد دکھ ہوا۔ کاش وہ اول روز ہی جان سکتیں تو کم از کم ایسے موقعوں پر اپنے بچے کو مہارا تو دیتیں۔ کس قدر تنہا لگ رہا تھا وہ۔ سب سے الگ تھلک۔ دور کھڑا چپ چاپ سب بچوں کو کھیتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"سنی! بیٹا میرے ساتھ آؤ۔" وہ سنی کہے کہ اندر آئیں اور اُسے پاس بٹھا کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں۔ چھوٹی چھوٹی باتیں اس کے اسکول کی میجرز کی بعد دوستوں کی تاکہ وہ بہل جائے، لیکن اس کا دھیان ابھی تک لٹن میں کیسے بچوں کی طرف تھا۔ جب آسیہ بی خاموش ہو گئیں تو پو پھنسنے لگا۔

امی! یہ سب مجھے اپنے ساتھ کیوں نہیں کھلاتے؟

ہاں ہی چوٹے ہونا اس لیے۔

وہ لان میں دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔

سعد بھڑے ہی جھوٹا ہے۔
آئیہ بی لا جواب ہو گئیں تو بات بدلتے ہوئے

اتنی جان کو قینا اطمینان مجھے جواب کی توقع نہیں تھی، بڑا کر بولیں۔

اچھا یہ بتاؤ آپ کو کون اچھا لگتا ہے؟
"امرو بی بی" وہ جلدی سے بولا۔ پھر کہ سوچ انداز
ہیں کہنے لگا۔
لیکن تمی امرو بی بی کہہ رہی تھیں میں ان کا بھائی

نومی اور منی ابھی چھوٹے میں تم نے انہیں دوسرے بچوں کے رحم و کرم پر کیسے چھوڑ دیا؟
"سعد ہے ان کے ساتھ کوئی بات ہوگی تو وہ آکر بتائے گا۔"

نہیں ہوں۔
آپ سعد کے بھائی ہو، نومی اور منی کے بھائی ہو۔
نومی اور منی تو پاپا کے بھائی ہیں۔
"بھائی نہیں بیٹے؟" وہ تصحیح کرتے ہوئے بولیں۔
"اور میں؟"

آئیہ بی غالباً نہ اٹھنے کا تہیہ کر چکی تھیں۔
"گویا تم اس انتظار میں ہو کہ سعد آکر بتائے کہ نومی یا منی کو چوٹ لگ گئی ہے تب تم آکر جاؤ؟"
"آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں میں ابھی بچوں کو دیکھ کر آ رہی ہوں۔ سب آرام سے کھیل رہے ہیں۔"
اتنی جان کو آئیہ بی کا برابر سے جواب دینا بالکل اچھا نہیں لگا، لیکن مزید سخت رویہ اس لیے اختیار نہیں کیا کہ آئیہ بی کا بدلا ہوا انداز دیکھ کر جان گئیں کہ جواب میں وہ بھی اپنی آواز آؤچی کر لیں گی اور ان کی جرات دیکھ کر دوسری بہویں بھی کمر پر زور نکالنے لگیں گی۔ یہی سوچ کر اتنی جان بات ختم کرنے کی غرض سے بولیں۔
"بہر حال دونوں وقت مل رہے ہیں بچوں کو اند

آپ میرے بیٹے ہو۔
پاپا کا نہیں ہوں؟
پاپا کے بھی ہو۔
پھر اس سے پہلے کہ وہ مزید ایسے سوال کر کے لا جواب کر دیتا، وہ کہنے لگیں۔
"اپنا بیگ لے کر آؤ، میں آپ کو ہوم ورک کروادوں۔"

بکالو۔
اس کے ساتھ ہی اتنی جان کمرے سے نکل گئیں اور آئیہ بی نے سوچا شاید بات ختم ہو گئی۔ لیکن بات ختم نہیں ہوئی تھی۔

اتنی جان اپنے کسی کام سے واپس آئیں لیکن جب آئیہ بی کو سنی کے ساتھ مصروف دیکھا تو کہنے لگیں۔
"تم یہاں بیٹھی ہو، دوسرے بچوں کی بھی خبر ہے؟"
اور اب تک محض اسی خوف سے کہ کہیں کوئی یہ نہ کہہ دے کہ وہ سنی کو دوسرے بچوں پر فوقیت دے رہی ہیں سنی سے غافل رہیں، لیکن اب وہ اپنے بچے سے غافل نہیں رہ سکتی تھیں۔ انہوں نے یہ بات سوچی تھی اور ابھی اتنی جان آکر جتا رہی تھیں۔

جب شیرازی کلینک سے لوٹے تو برآمدے ہی سے اتنی جان نے انہیں اپنے کمرے میں بلا لیا۔
اس وقت آئیہ بی کچن میں مصروف تھیں اس لیے انہیں بتا ہی نہیں چلا۔ کوئی گھنٹہ بھر بعد وہ سب کو کھانے کے لیے بلانے آئیں تو شیرازی کمرے میں موجود نہیں تھے۔ سنی سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ ابھی نکلتے ہی نہیں۔

مگر پھر کو آئیہ بی خوفزدہ ہوئیں جیسے خودی کرتے ہوئے پکڑی گئی ہوں، لیکن پھر فوڈ سنبھل گئیں۔ شاید شیرازی کے تین بیٹوں کی ماں ہونے کا احساس جاگا تھا اور یہ احساس کمزور سے کمزور تر عورت کو بھی طاقتور بنا دیتا ہے۔ اپنی طاقت کا اندازہ ہوتے ہی آئیہ بی کے اندر تصویری بغاوت اُتر آئی۔ ہمیشہ جی حضور ہی کرنے اور پہلی آواز پر کھڑی ہو جانے والی اطمینان سے بولیں۔

یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ اکثر کسی کے سلسلے میں انہیں دیر ہو جاتی تھی اس لیے آئیہ بی کو تعجب نہیں ہوا، لیکن اس وقت وہ ضرور چونکیں جب کھانے کے کمرے میں وہ اتنی جان کے ساتھ داخل ہوئے اور ان کے پیچھے سے لگ رہا تھا کہ انہیں آتے ہوئے کافی دیر

کے وقت نہیں کہتے تھے
نمایاں کے وجود سے
خواہ وہ کون غلط
کئے اور جانتے جیسے
دل سے کہہ دیا۔

مطلوبہ ہو جاتا کہ
نہیں کہتے، بلکہ
ہوئے نہیں
فی کو جاننے
کے واسطے

میں یہاں
نہیں جاتا
سب
تو بتاتی

اپنے
یا
ولاد
ح

ہو چکی ہے۔ وہ سمجھ گئی کہ اتنی جان کا آن پر بس نہیں چلا تو دوائی ساسوں والا حربہ استعمال کر رہی ہیں۔
 کھانے کے دوران وہ مسلسل قیاس کرتی رہیں کہ اتنی جان نے شیرازی سے کیا کہا ہوگا اور اب شیرازی ان سے کس انداز میں بات کریں گے۔ ساتھ ہی وہ اپنے آپ کو ذہنی طور پر آنے والی صورت حال کے لیے تیار بھی کرتی رہیں۔
 پھر جب وہ بچوں کو سٹلا کر کمرے میں آئیں تو شیرازی صوفے پر بیٹھے ہوئے کوئی فائل دیکھنے میں مصروف تھے۔ وہ خاموشی سے بیڈ کی چادر ہٹیک کر نے میں لگ گئیں۔ اس کام سے فارغ ہوئیں تو پوچھنے لگیں۔
 ”آپ چائے پیئیں گے؟“
 ”ہاں۔“

پھر سر اٹھا کر انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا: ”سپتے سو گئے کیا؟“
 ”ہاں۔“

”بہت جلدی سو گئے، ٹھیک تو ہیں سب؟“
 ”سب ٹھیک ہیں، اچھا میں چائے لے آؤں۔“
 وہ کمرے سے نکل گئیں۔
 کچھ دیر بعد چائے لے کر آئیں تو شیرازی اُسی طرح فائل میں آگے ہوئے تھے۔
 ”کس کی فائل ہے؟“ وہ شیرازی کے قریب میز پر چائے کا کپ رکھ کر یونہی بات کر کے کی غرض سے پوچھنے لگیں۔

”ایک مریض کا کیس اسٹڈی کر رہا تھا۔“ انہوں نے فائل بند کر کے کنارے پر رکھ دی اور چائے کا کپ اٹھایا۔
 پھر انہیں دیکھ کر پوچھنے لگی۔
 ”تم چائے نہیں پیو گی؟“

”نہیں، پھر مجھے پیوند نہیں آئے گی اور جلدی نہیں سوتی تو صبح مشکل سے آنکھ کھلتی ہے۔“ آسیہ بی اٹھانے میں انہیں وہ موضوع فراہم کر گئیں جس کے بارے میں وہ سوچ رہے تھے کہ بات کیسے شروع کریں۔

”ہاں بچوں کی وجہ سے مہینے صبح بہت جلدی اٹھنا پڑتا ہے اسی لیے میں سوچ رہا ہوں کہ سعد کو ٹمرہ کے پاس بھیج دوں۔“

”کہاں؟“ آسیہ بی کو اپنی سماعتوں پہ دھوکا ہوا جیسی فوراً پوچھنے لگیں۔
 ”وہیں کالونیٹ۔ ٹمرہ کے پاس۔“ انہوں نے اطمینان سے یوں دہرایا جیسے بہت دنوں سے سوچ رہے ہوں۔

جب کہ آسیہ بی سمجھ گئیں کہ یہ سچی اتنی جان نے بڑا حال ہے اور کیونکہ ذہنی طور پر اپنے آپ کو تیار کر چکی تھیں، اس لیے فوری جذبات میں آنے کے بجائے سنبھل کر اور قدرے لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولیں۔

”نہیں شیرازی، میں سعد کو کہیں نہیں بھیجوں گی۔“
 ”اس کے لیے یہی بہتر ہے۔“ انہوں نے سمجھانا چاہا، لیکن وہ کچھ سننے پر آمادہ نہ ہوئیں۔
 ”اس کے لیے کیا بہتر ہے کیا نہیں،“ ماں ہونے کے نلے میں زیادہ بہتر سمجھتی ہوں۔“
 ”لیکن آسیہ۔“

”پلیز شیرازی! انہوں نے ٹوک دیا اس سلسلے میں مزید کوئی بات نہیں ہو گی۔ یہ میرا فیصلہ ہے کہ میں اپنے کسی بچے کو خود سے دور نہیں کروں گی۔“

شیرازی خاموش ہو رہے۔ ویسے بھی ان کی عادت تھی وہ کسی بات کو طویل نہیں دیتے تھے۔ اور آسیہ بھی ان کی عادت سمجھنے کے باوجود پھر دھوکا کھا گئیں۔ اپنے طور پر سمجھ لیا کہ بات ختم ہو گئی۔ لیکن صبح اتنی جان نے ان کے کمرے میں آتے ہی یہی بات چسپور دی سی بی کو نظر انداز کر کے شیرازی سے پوچھنے لگیں۔

”تم سعد کو کب مری بھیج رہے ہو؟“ شیرازی جواب دینے کے بجائے آسیہ بی کی طرف دیکھنے لگے تو عجوبہ انہیں بولنا پڑا۔

”ہم سعد کو کہیں نہیں بھیج رہے اتنی جان۔ وہ یہیں رہے گا۔“

”تم خاموش رہو آسیہ۔ میں نے تم سے نہیں پوچھا۔ اتنی جان ناگواری سے بولیں۔“

”بات میرے بچے کی ہو اور میں خاموش رہوں۔ یہ ممکن نہیں ہے۔“ پھر شیرازی نے لاکھ خاموش رہنے کا اشارہ کیا لیکن وہ خاموش نہیں رہیں کہنے لگیں۔ آپ

نے تو اب تک اپنی اولاد کو سینے سے لگا کر رکھا ہوا ہے اور فجر سے چاہتی ہیں کہ میں انہیں خود سے دور کر دوں۔

ہاں میں چاہتی ہوں کہ یہ بچے تم سے دور رہیں کیونکہ تم صرف سنی کی ماں ہو۔
”نہیں! آسیہ بی براہ راست اس حملے سے متاثر ہیں انگلیں۔“

”یہی بات ہے اور ایسے ماحول میں شیرازی کے بچے احساس کمتری کا شکار ہو جائیں گے۔ اسی لیے میں نے شرہ کو پہلے ہی یہاں سے ہٹا دیا تھا۔“ پھر جاتے جاتے شیرازی کو مخاطب کر کے کہنے لگیں۔

”اب تمہاری مرضی میاں! جو بھی کرو۔“ شیرازی امی کے پیچھے کمرے سے نکل گئے اور آسیہ بی سر تقام کروہیں بیٹھ گئیں۔ پھر تقام دن وہ سوچتی اور الحبق رہیں آخر میں جو فیصلہ کیا۔ اس سے رات میں پہلے شیرازی کو آگاہ کیا اور اگلے دن سنی کو لے کر اماں کے پاس چلی گئیں۔

”یہ میری غلطی تھی کہ میں مقدر کے لکھے کو مٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔“

وہ اماں کے سامنے اعتراف کرتے ہوئے کہنے لگیں۔
”سنی کے نصیب میں خرومی خود اوروں والے نے کبھی پھر میں اسے کیسے دور کر سکتی ہوں بھلا۔ آپ میرے بچے کو اپنے پاس رکھ لیں اماں اور نہ اگر یہ وہاں رہا تو ایک ایک کر کے میرے سارے بچے مجھ سے دور کر دیے جائیں گے۔ وہ لوگ نہیں چاہتے کہ سنی ان بچوں میں شامل ہو۔ وہ اسے سب سے الگ سمجھتے ہیں۔“

قدرے توقف کے بعد کہنے لگیں۔ ”جس فرق کو میں مٹانا چاہتی تھی۔ وہ اول روز سے سب پر واضح کر دیا گیا ہے۔ یقین کریں اماں! میں تو شرہ کو اپنی اولاد سمجھتی ہوں۔ وہ مجھے کسی طرح بھی سنی سے کم عزیز نہیں ہے۔ اتنا دل چاہتا ہے وہ مجھے اپنی لگے مکین۔“
آسیہ بی رو پڑیں۔ اور سنی بہت بڑا نہیں تھا، لیکن ایسے حالات کا شکار بچے کم سنی ہی میں خاصے سمجھار رہ جاتے ہیں وہ بھی پہلے چپ چاپ انہیں روئے دیکھتا رہا پھر اٹھ کر پاس آیا اور دان کا چہرہ

ہاتھوں میں تقام کر کہنے لگا۔
”نہیں! میں نانی اماں کے پاس رہوں گا اور انہیں تنگ بھی نہیں کروں گا۔“

”میری جان! آسیہ نے اسے سینے سے چلتی دیا۔“
”بس کرو۔“ بچہ پر لٹیان ہو رہا ہے۔ ”اماں نے سنی کو الگ کر کے اپنے پاس بٹھایا پھر اسے کہنے لگیں۔ ”بیٹا صبر اور حوصلے سے کام لو ایسا ہو جانا ہے۔ عورت کو گھر بچانے کے لیے قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔“

”میرے یہ قربانی مہلکی پڑے گی امی جان کو آسیہ! اس وقت ایسی ہی باتیں کر سکتی تھیں پھر بھی اماں سمجھانے لگیں۔

”نہیں لڑائی جھگڑے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تم آرام سے اپنے گھر رہو۔ سنی کی فکر مت کرو۔“
یہاں خوش رہے گا۔ اور اس کا تونام ہی سکندر ہے۔ دیکھنا مقدر کا بھی سکندر ہو گا۔
”انشاء اللہ! آسیہ بی نے دوپٹے کے پوسے پر

پاک و ہند میں ایک مقبول
شاعر
وسیم بریلوی

کا محبوب و عطا کلام

مزاج

قیمت 60 روپے
غزلیں اور گیت

شائع ہو گیا ہے

سول ایجنٹ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ اردو بازار کراچی

خواہش ہے کہ وہ میرے پاس رہے۔ پھر منت بھرے
لیجے میں بولیں۔
"پلیز شیرازی! اتنی جان سے کہیں وہ شرہ کو واپس
بلا لیں۔ شیرازی نے بہت خاموشی سے انہیں دیکھا
پھر بس سر ہلا دیا تھا۔

ماہ و سال کا چکر چلا۔ کتنے برس بیتے۔ اس بار
شرہ میٹرک کے امتحانوں سے فارغ ہو کر آئی تھی۔
ہمیشہ سے مختلف اس کے اندازہ چوڑکانے والے
تھے۔ پتا نہیں کسی اور نے محسوس کیا یا نہیں لیکن
آسیہ بی غور کر رہی تھیں کہ وہ اپنی عمر سے خاصی
بڑی لگنے لگی تھی۔ ہو سکتا تھا۔ اس میں مری کی
آزاد فضاؤں کا دخل ہو پھر بھی آسیہ بی کا خیال
تھا کہ اس عمر میں لڑکیوں کو ایک خاص نگرانی
کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے وہ چاہتی تھیں کہ
شرہ اب یہیں رہے۔ لیکن پتا نہیں کیوں شرہ کے
معاملے میں ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی تھی۔
جب کہ وہ انہیں بے حد عزیزہ تھی۔

پھر یہ جانتے کے باوجود کہ ان کی بات کو کوئی
اہمیت نہیں دی جائے گی انہوں نے پہلے شیرازی
سے کہا کہ شرہ کو اتنی دُور بھیجنے کے بجائے یہیں
کسی کالج میں داخل کرادیں۔ جواب میں شیرازی
نے ہمیشہ کی طرح صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تو۔
آسیہ بی نے مجبوراً وہی بات اتنی جان سے کہی کہ
عورت ہونے کے ناتے ہو سکتا ہے وہ بھی اس
بات کو سمجھتی ہوں۔ لیکن اتنی جان نہ دے پٹن کا
مظاہرہ کرتے ہوئے بولیں۔

"تمہیں شرہ کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"
"کیسے ضرورت نہیں ہے۔ میں ماں ہوں اس
کی؟ آسیہ بی کو بھی غصہ آگیا۔

"سو تیلی ماں۔ جو کبھی اس کا بھلا نہیں سوچ سکتی۔"
"آپ کی اس سوچ نے ہم ماں بیٹی کے درمیان
خلیج حائل کر دی ہے۔ ورنہ وہ کبھی مجھ سے اتنی
دور نہ ہوتی۔"

آسیہ بی دُکھ اور تاسف سے کہتی ہوئی ان کے
پاس سے اُٹ آئیں بچوں کے کمرے میں جھانک کر

صاف کیا پھر سنی کو پاس بٹھا کر سمجھانے لگیں۔ "نانی اماں
کو تنگ نہیں کرنا۔ مائوں جان کے بچوں کے ساتھ لڑنا
نہیں ہے۔ اسکول پابندی سے جانا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔
شیرازی کو غالباً اُمید نہیں تھی کہ رات آسیہ بی نے
جو فیصلہ سنایا ہے اس پر عمل بھی کر ڈالیں گی لیکن رات
جب انہوں نے بچوں کے درمیان سنی کو نہیں دیکھا تو
پوچھے بغیر رہ نہیں سکے۔

"سنی کہاں ہے؟"

"اسے میں اماں کے پاس چھوڑ آئی ہوں۔ آسیہ بی
نے ان کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

"کیوں؟"

"آپ شاید بھول گئے ہیں نے کل رات ہی آپ کو
بتا دیا تھا کہ۔"

"ہاں لیکن وہ ان کی بات کاٹ کر کہنے لگے۔
"میرا خیال تمام یونہی غصے میں کہہ رہی ہو لیکن تم نے
تو اپنی بات پر عمل بھی کر ڈالا۔"
"کیا مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا؟ آسیہ بی
براہ راست ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"تمہیں سوچنا چاہیے تھا کہ جس بچے کو کسی عروسی
سے بچانے کی خاطر تم نے اتنی جلدی دوبارہ شادی
کی تھی وہی عروسی خود اس کا مقصد کر آئی ہو۔"
"میں؟ آسیہ بی کے اندر کی تلخی لیجے میں مٹ
آئی۔ "کس خوبصورتی سے آپ الزام میرے سر پر
رہے ہیں۔ صاف اعتراف کیوں نہیں کرتے کہ اس
کا وجود آپ سب کے لیے ناقابل برداشت تھا؟"
"یہ تمہاری اپنی سوچ ہے۔"

"اب آپ کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور میں بھی یہ ضرور
کہوں گی کہ زندگی کے جن امتحانوں کی آپ نے نشاندہی
کی تھی اس میں آپ ناکام ہو گئے ہیں۔"
"اور تم۔؟ وہ فوراً پوچھنے لگے۔

"مجھے اس امتحان کے قابل ہی نہیں سمجھا گیا۔ ورنہ
میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ میری ناکامی کا سوال
ہی نہیں تھا کیونکہ میں شرہ کو اپنے بچوں سے الگ
نہیں سمجھتی۔ وہ میری ایک ہی بیٹی ہے اور میری شہیدہ

دیکھا۔ شرہ کا پی پر ڈرائنگ کرنے میں مصروف تھی جب کہ نومی اور بیٹی اس پر جھکے ہوئے تھے۔
 ”یہ آپ نے ہٹ بنایا ہے۔“ سعد دور ہی سے کہہ کر پوچھنے لگا۔
 ”ہاں۔“

”اس میں کون رہتا ہے؟“ نومی اشتیاق سے پوچھنے لگا۔

”اس میں ایک غریب شہزادہ رہتا ہے۔“
 ”غریب شہزادہ؟“ سعد زور زور سے ہنسنے لگا۔
 ”غریب شہزادہ کیسا ہوتا ہے؟“ بیٹی نے پوچھا تو شرہ نے ذرا سا سراو بچا لیا اور پنسل غلے ہونٹ پر رکھ کر نظریں کاغذ پر جمی رہنے دیں۔ اس کی آنکھوں میں کئی رنگ ایک ساتھ اتر آئے تھے اور کسی خیال کے تحت ہونٹ دلاؤیزہ مسکراہٹ کی فرو میں آ گئے۔
 ”بتائیں نا آئی؟“ بیٹی نے اس کا کندھا ہلایا تو وہ چونکی، پھر کہنے لگی۔

”غریب شہزادہ بہت خوبصورت ہے۔“
 ”آپ نے دیکھا ہے؟“ نومی کا اشتیاق اسی طرح قلعہ ”ہاں۔“

”کہاں۔؟“ نومی اور بیٹی ایک ساتھ بولے۔
 ”اسی ہٹ میں۔“
 ”ہمیں تو نظر نہیں آ رہا۔“ دونوں کاغذ پر جھک گئے تو سعد کے ہنسنے پر وہ بھی اس کا ساتھ دینے لگی۔
 ”آسیہ بی نے چاہا کہ وہیں سے پلٹ جائیں لیکن پھر کچھ سوچ کر اندر چلی آئیں۔“
 ”کیا ہو رہا ہے تبھی؟“ یوں ظاہر کیا جیسے ابھی ابھی آئی ہوں۔

”شرہ آئی ڈرائنگ بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔“
 ”لگتا ان کی ڈرائنگ۔“ بابا بابا۔ سعد اس کا مذاق اڑاتے ہوئے ہنسا تو آسیہ بی ٹو کہنے لگیں۔

”بڑی بات۔“ بڑی ہیں پر ہنستے ہوئے جلو جاؤ پاپا کو اپنا ہوم ورک چیک کراؤ۔ نومی، بیٹی تم بھی ملو؟“
 تینوں اپنے اپنے بیگ لے کر چلے گئے تو آسیہ بی شرہ کے پاس بیٹھ گئیں۔

”بہت شہزادہ ہیں تینوں، تمہیں تنگ کر رہے تھے؟“
 ”نہیں آنٹی تنگ تو نہیں کر رہے تھے۔“

”پیار بھی بہت کرتے ہیں تم سے۔“ اور تبھی یاد میں بہت کرتے ہیں۔ جب تم چلی جاتی ہو تو بہت دنوں تک اُداس رہتے ہیں۔“

”اچھا! میں بھی بہت مس کرتی ہوں۔“ شرہ نے اُن کی بات کے جواب میں رسمی جملہ بولا اور وہ فوراً کہنے لگیں۔

”اب تو تم نہیں جاؤ گی نا۔“ میرا مطلب ہے سکول کی تعلیم تو ختم ہو گئی۔ اب یہیں کالج میں ایڈمیشن لے لو۔“

”نہیں آنٹی میں واپس جاؤں گی۔“
 ”کیوں بیٹا۔ اپنے گھر کی بات ہی اور ہوتی ہے۔“ وہاں سب سے الگ تھلک۔

”مجھے الگ تھلک رہنے کی عادت ہو گئی ہے۔“
 یہاں میں بہت ڈسٹرب ہو جاؤں گی۔ وہ فوراً بولی۔
 ”اگر ایسی بات ہے تو ہم تمہیں الگ کمرادے دیں گے۔“

”پھر بھی نہیں۔“ آرام سے بات کرتے کرتے وہ اکھڑنے لگی تو آسیہ بی خاموش ہو رہیں۔

پھر شاید شرہ نے پہلے سے امی جان کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر کے انہیں اپنے حق میں ہموار کر لیا تھا۔
 جیسا جیسے ہی اس کا رد لٹ آیا امی جان پٹاری سے کہنے لگیں کہ خود شرہ کے ساتھ مری جا کر اس کا کسی اچھے کالج میں ایڈمیشن کرائیں۔ گو کہ شیرازی اس کے برعکس سوچے ہوئے تھے لیکن کیونکہ امی جان کی بات سے اختلاف نہیں کرتے تھے۔ اس لیے پہلی فرسٹ میں شرہ کے ساتھ چلے گئے۔ اس کا ایڈمیشن اور بائیکل میں رہائش وغیرہ کا انتظام کر کے کوئی ہفتے بھر بعد واپس آئے تو آسیہ بی کہنے لگیں۔

”انسان کو کم از کم اپنی اولاد اور خاص کر بیٹی کے معاملے میں اتنا بے بس اور بے اختیار نہیں ہونا چاہیے۔“ شیرازی شاید کسی بوٹ میں الجھنا نہیں چاہتے تھے اس لیے خاموشی سے اُن کی بات سن لی۔

کہنے بہت سارے دن گزر گئے۔ آسیہ بی ظاہر پر سکون اور تینوں بچوں میں مصروف رہیں، لیکن اکثر سنی جیسے خود اُن کی خواہش پر جیسا نے ایٹ آباد بھیج دیا تھا وہ اور شرہ انہیں بے طرح یاد آتے۔ وہ

نے بھی اسی سکون سے سنا جب کہ تنہائی ملے گی کسی نے انہیں گھیر لیا۔
"شیرازی! کج جانیں۔ کیا واقعی ٹرہ آپ کی بیٹی ہے؟"

"ہمیں اس میں کیا شک ہے؟ شیرازی کو ان کا سوال بڑا عجیب سا لگا تھا۔

"پھر آپ اس سے اتنے لا تعلق کیوں ہیں؟
"کس نے کہا کہ میں اس سے لا تعلق ہوں؟"

"یہ لا تعلق نہیں تو اور کیا ہے کہ جو ان جہان بیٹی
بغیر اجازت لیے کسی دوست کے ساتھ چلی گئی ہے اور
آپ اطمینان سے بیٹھے ہیں؟"

"جہاں اس نے اطلاع دی تو ہے؟
"محض اطلاع دی ہے۔ اجازت نہیں لی ہے؟"

"ہو سکتا ہے، اتنی جان سے پوچھا ہو۔ میری تو
اس سے بات ہوئی نہیں؟ شیرازی کا اطمینان بخود بخود
تھا۔

"پھر بھی اُسے آپ سے ضرور پوچھ لینا چاہیے تھا۔
"آسیہ بیگم! شیرازی خاں سے مطمئن بھرے پیچھے کہنے لگے۔
"اتنا عرصہ ہو گیا ہے تمہیں ہمارے ساتھ رہتے ہوئے
لیکن تمہاری سوچ اب بھی مڈل کلاس والی ہے؟"

"مجھے اپنے مڈل کلاس ہونے پر کبھی افسوس نہیں
رہا اور اتنا عرصہ کیا صدیاں بیت جائیں تب بھی میں
اپنی سوچ نہیں بدل سکتی۔ البتہ آپ لوگ ضرور ٹھوکر
کھانے کے بعد؟"

"آسیہ! انہوں نے ٹوک دیا۔ جو کہنا ہے صاف کہو۔
"میں صرف یہ بتانا چاہتی ہوں کہ لڑکیاں شیشے سے
زیادہ نازک ہوتی ہیں۔ چھو لینے سے سیلی اور ٹپکی سی
ٹھٹیس سے ہی ٹوٹ جاتی ہیں؟ کچھ دیر خاموش رہ
کر کہنے لگیں۔ اتنے اطمینان سے مت بے چارے شیرازی!

کم از کم یہ تو معلوم کر لیں کہ وہ کس دوست کے ساتھ
جا رہی ہے؟

"تم میری بیٹی پر شک کر رہی ہو؟ آسیہ بی نے
تاسف سے دیکھا اور دھڑک سے بولیں۔

"وہ میری بھی بیٹی ہے۔ میں اس کی ماں بن کر
سوچ رہی ہوں، جیسی تو ایسا کہہ رہی ہوں وہ نہ صاف
لفظوں میں سمجھ گیا، کہہ کر بری الذمہ ہو جاتی۔ باب

جانتی تھیں ان دونوں بچوں کے ساتھ اچھا نہیں ہو رہا بظاہر
کتنی ہی اچھی تعلیم حاصل کر لی کسی نہ کسی پہلو سے ضرور
اور سوسے رہ جائیں گے۔ سنی کے معاملے میں وہ مجبور تھیں

کیونکہ شیرازی کو زبردستی اسے پرانہ شفقت لینے پر
مجبور نہیں کر سکتی تھیں لیکن خود اپنے بارے میں انہیں
یقین تھا کہ انہوں نے ٹرہ کو — جہنم نہیں دیا اور

پرورش بھی نہیں کی پھر بھی اندر سے ان کی مامتا
اس کے لیے بھی اسی طرح ابلتی ہے جس طرح دوسرے
بچوں کے لیے۔ شاید اس لیے کہ انہوں نے کسی بیٹی کو

جہنم نہیں دیا تھا۔ ہو سکتا ہے ان کی اپنی بیٹی ہوئی
تو وہ ٹرہ کی فکر سے آزاد ہو جائیں لیکن اب

بہر حال ایسا نہیں تھا بلکہ وہ تو اب تک اس بات
سے بھی سمجھوتا نہیں کر پاتی تھیں وہ بھی کبھی تھیں کہ دوسرے
بچوں کی طرح یہ بھی انہیں کی بیٹی ہے۔ اس پر اتنی مامتا

نچھاور کرنے کے بعد جب اس کے منہ سے آئی
ستیں تو اندر ہی اندر بچ کر رہ جاتی تھیں۔

اور اب کی بار تو ٹرہ کے جانے سے وہ بہت
ڈسٹر ب ہو گئی تھیں۔ کیونکہ وہ اگر بہت بڑی نہیں تھی

تو چھوٹی بھی نہیں رہی تھی۔ نو جوانی کی جس عمر میں
وہ داخل ہوئی تھی اُس میں بیٹیاں ماؤں کے سامنے

رہیں تب بھی وہ انہوں میں مبتلا کرتی ہیں اور وہ تو
دور تھی۔ آسیہ بی کی جگہ اگر کوئی اور عورت ہوتی

تو شاید اس بات کو اتنی اہمیت نہ دیتی یا ہو سکتا
ہے وہ میری بلا سے کہہ کر اپنے آپ کو بالکل بری الذمہ

تصور کرتی لیکن آسیہ بی کی سرشت میں یہ شامل
نہیں تھا۔ وہ تو شروع سے جو اپنے لیے چاہو وہی

دوسرے کے لیے پر ایمان رکھتی تھیں پھر یہ کیسے
ممکن تھا کہ سنی کے لیے کڑھتیں اور ٹرہ کے لیے نہیں۔

ٹرہ نے انٹر کر لیا تو گھر آنے کے بجائے فون پر
اتنی جان سے کہہ دیا کہ وہ اپنی کسی دوست کے ساتھ

اسلام آباد جا رہی ہے۔ چھٹیاں وہیں گزارے گی
اور یقیناً اس نے ہمیشہ کی طرح اتنی جان کو اپنے حق

میں ہموار کر لیا تھا۔ جیسی انہوں نے بہت سہولت
سے آکر بتایا کہ ٹرہ چھٹیاں اسلام آباد میں گزارے

گی۔ اپنی کسی دوست کے ساتھ۔ اتنی جان نے جس
طرح اس بات کو کوئی اہمیت دیے بغیر بتایا شیرازی

خدا کے لیے یہ مت کہہ دیجیے گا کہ مجھے اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے بے ضرورت ہے۔ میں کسی بھی طرح اپنے آپ کو اس کے بارے میں سوچنے سے باز نہیں رکھ سکتی، کیونکہ اول روز ہی میں نے اسے اپنے دل میں جگہ دی تھی۔ اپنی مانتا میں سنی کے ساتھ اسے حقے دار بنایا تھا۔ آپ لاکھ اسے مجھ سے دور رکھیں، نظروں سے اوجھل کریں، دل میں وہ ہر وقت رہتی ہے۔ شیرازی کچھ نہیں بولے خاموشی سے انہیں دیکھتے رہے۔ دل ہی دل میں متاثر ہوئے بھی تو ظاہر نہیں کیا اور آسیہ بی انتہائی مایوسی کے عالم میں اُن کے پاس سے اٹھ گئیں۔ لیکن اگلے روز جب شیرازی نے کلینک سے فون کر کے بتایا کہ وہ اسی وقت شمرہ کو لینے جا رہے ہیں تب انہیں اطمینان کے ساتھ خوشی بھی ہوئی۔ اور وہ اس وقت سے شمرہ کے لیے الگ کمرائٹیک ٹشاک کمرے میں لگ گئیں۔

”کوئی جہان آ رہا ہے کیا؟“ اتنی جان پوچھے بغیر نہیں رہ سکیں۔

”نہیں شمرہ آ رہی ہے“ آسیہ بی نے خوشی سے بتایا۔

”کس نے کہا۔؟“

”شیرازی خود اسے لینے گئے ہیں“

”کب۔ مجھ سے تو ذکر نہیں کیا اُس نے؟“ اتنی جان کو خاصا ناگوار گزارا تھا کہ ان کے علم میں لائے بغیر وہ چلے گئے تھے۔

”ابھی اُن کا فون آیا تھا“ پھر آسیہ بی وضاحت کرتے ہوئے کہنے لگیں۔ ”اصل میں دو بجے کی فلائیٹ سے انہیں سیٹ مل گئی ہے۔ گھر آنے کا وقت نہیں تھا اس لیے وہیں سے چلے گئے۔“

”اچھا؟“ اتنی جان کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگیں۔

”لیکن رات تو میں نے بتایا تھا کہ وہ اپنی کسی سہیلی کے ساتھ اسلام آباد جائے گی۔“

”جی؟“ آسیہ بی اسی قدر کہہ سکیں۔

”پھر شیرازی نے اسے لانے کا پروگرام کب بنا لیا؟“ اتنی جان مسلسل انہیں ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

”میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ مجھے تو خود انہوں نے

ابھی صرف اپنے جانے کا بتایا ہے۔“ آسیہ بی اس وقت کوئی بد مزگی نہیں چاہتی تھیں۔ اس لیے ایسی بات کی۔ ورنہ اتنا اندازہ تو انہیں ہو گیا تھا کہ ان کی بات کی باتوں کو سنجیدگی سے سوچنے کے بعد ہی شیرازی گئے ہوں گے۔

شیرازی نے واپسی کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔ پھر بھی آسیہ بی کا خیال تھا کہ وہ کل تک واپس آجائیں گے۔ کیونکہ وہ کسی تیاری سے نہیں گئے تھے۔ پھر صرف شمرہ ہی کو تو لانا تھا۔ لیکن اگلے روز تو کیا پورا ہفتہ گزر گیا وہ نہ آئے اور نہ ہی فون کیا۔ یہ یقیناً تشویش کی بات تھی کم از کم فون تو کر دیتے۔ لیکن وہ تاہیں کس کام میں لکھ گئے تھے کہ فون تک نہیں کیا۔ آسیہ بی مختلف دباہموں میں گھرتی رہیں۔ پریشان ہوئی رہیں صبح شام اتنی جان سے پوچھتیں شیرازی کا فون تو نہیں آیا۔ جواب میں اتنی جان نفی میں سر ہلاتے ہوئے جانتے کہ سوچوں میں گم ہو جاتیں کہ آسیہ بی مزید کہہ رہی نہ سکتی تھیں۔ اتنی جان لاکھ چھپاتیں پھر بھی وہ محسوس کر رہی تھیں کہ وہ خاصی پریشان سی ہیں۔ اور آسیہ بی کے خیال میں اُن کی پریشانی کا سبب بھی یہی ہے کہ شیرازی نے کوئی اطلاع نہیں دی۔ پھر کوئی پندرہ بیس روز کے بعد شیرازی آئے وہ بھی اکیلے۔ شمرہ اُن کے ساتھ نہیں تھیں۔ اور فوراً طور پر آسیہ بی کو شمرہ کا خیال آیا بھی نہیں۔ اُن کے شکے و جھگڑے کو دیکھ کر پریشانی سے پوچھنے لگیں۔

”آپ ٹھیک تو ہیں؟“

”ہوں؟“ انہوں نے بیڈ پر نیم درازہ ہو کر کہیں سے سہارا لے لیا۔

”اتنے دن کہاں رہے؟ کوئی فون بھی نہیں کیا۔“

”اتنی جان کو فون کیا تھا؟“ انہوں نے کہا تو آسیہ بی کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

”لیکن انہوں نے تو مجھے نہیں بتایا۔“

”سجول گئی ہوں گی۔“

”سجول گئی ہوں گی۔ میں خود صبح شام اُن سے پوچھتی رہی لیکن۔“

”آسیہ؟“ انہوں نے ٹوک دیا۔ یہ ساری باتیں یا شکایتیں بعد کے لیے اشارہ کو۔ ابھی میں ٹھکا ہوا

آیا ہوں؟

گئے۔ اتنے وقت کے لیے اسے یہاں کیوں نہیں جانتے؟
”یہاں آ کے کیا کرے گی؟ وہ بولے جیسے وہاں
بڑے مزدوری کام کر رہی ہو۔“

آسیہ بی ایک دم خاموش ہو گئیں پھر خود بھی اس
ہوا کہ آتے ہی جرح کرنے لگیں۔ اور غلطی کا احساس
ہوتے ہی نادام ہو کر پھریں۔

”کمال ہے، یہ اس کا گھر ہے۔ سعد وغیرہ روزانہ
کے بارے میں پوچھتے ہیں؟“

”آپ کے لیے چائے لاؤں؟“

”وہاں بھی وہ اپنے گھر میں ہے؟“

”ہاں۔ انہوں نے گہری سانس لی تو آسیہ بی فوراً
کمرے سے نکل گئیں۔ کچھ دیر بعد چائے لے کر آئیں

”اپنے گھر میں؟“ آسیہ بی بالکل نہیں سمجھیں۔

تو شیرازی آنکھوں پر بازو رکھے بیٹھ گئے۔ وہ رک کر
دیکھنے لگیں کہ کہیں سو تو نہیں گئے پھر ہلکے سے آواز

”ہاں۔ میں اس کی شادی کر آیا ہوں؟ شیرازی
نے اطمینان سے انہیں حیرتوں کے سمندر میں دھکیل

دی۔

”دیا جس سے نکلنے میں انہیں خاصی دیر لگی اور جب
نکلیں تب بھی یقین نہیں آیا۔“

”شیرازی؟ انہوں نے آنکھوں پر سے بازو ہٹایا
اور ان کے ہاتھ میں چاہنے کا کپ دیکھ کر اٹھ بیٹھے

”کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ میرا مطلب ہے یہ کیسے
محکم ہے؟“

”آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔“ وہ کپ نہیں
مٹا کر خود بھی ان کے پاس بیٹھ گئیں۔

”کیوں کیا اس کی شادی ناممکنات میں سے تھی؟“

”ہاں بس میرا خیال ہے آب و ہوا کی تبدیلی کا
اثر ہے؟“

”نہیں۔ میں۔ یہ نہیں کہہ رہی۔ اور آپ اچھی
طرح سمجھ رہے ہیں کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں؟ آسیہ بی

”کوئی دوا لے لیں؟“

”اچھ کر تقریباً چھینیں۔“

”نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔ سکون کی نیند
لے لوں گا تو فریش ہو جاؤں گا؟“ انہوں نے دو تین

”آرام سے آسیہ بیگم! آرام سے۔ آؤ یہاں بیٹھ کر
میری بات سنو۔“ آسیہ بی اسی طرح کھڑی رہیں تو

گھونٹ میں چلے گا کپ خالی کر دیا اور انہیں ہمتا تے
ہوئے کہنے لگے۔ ”میں سونا چاہتا ہوں۔ نیچے اکول

”انہوں نے ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھایا پھر کچھ دیر خاموش
رہنے کے بعد کہنے لگے۔“

سے آئیں تو خیال رکھنا مجھے ڈسٹرب نہ کریں؟“

”مشرع نے کہا تھا کہ وہ اپنی کسی دوست کے ساتھ
اسلام آباد جا رہی ہے چھٹیاں اس کے ساتھ گزرا

وہ مہلاتے ہوئے ان کے پاس سے آگئے انہیں
دروازے تک آ کر اچانک خیال آیا تو رگ کر پوچھنے

”جب میں اسے لینے پہنچا تو وہ اپنی کسی کلاس فیلو
یا کالج فیلو کے ساتھ نہیں بلکہ حماد گیلانی کے ساتھ

”مشرع آپ کے ساتھ نہیں آئی؟“

”کون حماد گیلانی؟“ آسیہ بی پوچھے بغیر نہیں رہ
سکیں۔

”نہیں، وہ ابھی وہیں رہے گی؟“ آسیہ بی پوچھنا
چاہتی تھیں کہاں؟ لیکن انہوں نے اپنی بات کہہ کر

”میں نہیں جانتا۔ لیکن مشرع اور وہ ایک دوسرے
کو گزشتہ دو سالوں سے جانتے ہیں۔ اور دونوں

کروٹ بدل لی تھی۔“

”جانبہ بھڑا تو ایک دن باقاعدہ انہیں خبر دیا۔“

”آخراً مشرع سے اتنے لاپرواہ کیوں ہیں؟“

”کیا مطلب؟“

”اس کا رزلٹ آنے میں بس ایک دو ہفتے ہیں

”میں نہیں جانتا۔ لیکن مشرع اور وہ ایک دوسرے
کو گزشتہ دو سالوں سے جانتے ہیں۔ اور دونوں

شادی کا فیصلہ کر کے اس وقت اس پر عمل کرنے
جا رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر مشرع سٹیپڈ ضرور لیکن اس

”میں نہیں جانتا۔ لیکن مشرع اور وہ ایک دوسرے
کو گزشتہ دو سالوں سے جانتے ہیں۔ اور دونوں

کی پیٹھ پر کیونکہ حماد کا ہاتھ تھا۔ اس لیے زیادہ پریشا
نہیں ہوئی اور میرے استفسار پر اس نے صاف کہہ

”دیا کہ وہ حماد سے شادی کرنے جا رہی ہے؟“

”پھر۔“ وہ سانس لینے کو رکے تھے کہ آسیہ بی

”میں نہیں جانتا۔ لیکن مشرع اور وہ ایک دوسرے
کو گزشتہ دو سالوں سے جانتے ہیں۔ اور دونوں

شادی کا فیصلہ کر کے اس وقت اس پر عمل کرنے
جا رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر مشرع سٹیپڈ ضرور لیکن اس

بے تاب سے پوچھنے لگیں۔

”پھر ظاہر ہے میں نے اس سے یہی کہا کہ تم باری
حادث سے شادی ضرور کروں گا لیکن اس وقت تم میرے
ساتھ چلو۔ پہلے حماد اپنے والدین کو بھیجے باقاعدہ
بات لے ہو پھر شادی ہو گی لیکن وہ اور حماد دونوں
اس بات پر راضی نہیں ہوئے۔ یعنی دونوں اسی وقت
شادی کرنے پر مستعد تھے۔ پھر میں بڑی مشکل سے
مشرہ کو سمجھا کر ہوٹل لے گیا، وہ بھی اس شرط پر میرے
ساتھ جانے پر آمادہ ہوئی تھی کہ میں ان کی فوری شادی
میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالوں گا۔“

شیرازی اچانک افسردہ نظر آنے لگے تھے۔ اور
آسیہ بی سے نظریں بھی نہیں پارہے تھے جیسے انہیں
یقین ہو کہ ابھی وہ کہہ دیں گی، دیکھا مجھ سے دور
رہنے کا کیا نتیجہ نکلا۔ لیکن وہ کچھ نہیں بولیں۔ بس
خاموشی سے انہیں دیکھے جا رہے تھے جو سر جھکائے
کہہ رہے تھے۔

”پہلے میں نے مشرہ کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب
وہ کچھ بھی سننے پر آمادہ نہیں ہوئی تو میں اس کے علم
میں لائے بغیر حماد گیلانی کے پاس گیا اور اسے اس
شادی سے باز رکھنے کا ہر حربہ استعمال کر ڈالا لیکن
سب بے سود۔ اگلا وہ مجھے دھمکی دینے لگا کہ آپ اگر
اتفاق سے آہی گئے ہیں تو بہتر ہے اپنے ہاتھوں
ہماری شادی کر دیں ورنہ ہم کورٹ میں جا کر کر
لیں گے۔“ قدرے توقف کے بعد کہنے لگے۔

”اس رات میں نے فون پر امی جان سے بات کی
اور اس ساری صورت حال کے پیش نظر انہوں نے کہا کہ
بہتر یہی ہے فوراً دونوں کی شادی کر دو۔ اس طرح کچھ
بات رہ جائے گی ورنہ ساری عزت خاک میں مل جائے
گی۔ یوں مشرہ کو حماد گیلانی کے ساتھ رخصت کر کے
میں یہاں چلا آیا۔“

انہوں نے بات ختم کی تب بھی سر جھکائے بیٹھے
رہے شاید آسیہ بی کی طرف سے طعنوں سے منتظر تھے
اور یقیناً آسیہ بی کی جگہ کوئی اور عورت ہوتی تو ان کا
کلیجہ چیلنی کر دیتی لیکن آسیہ بی کی سرشت میں یہ سب
شامل نہیں تھا۔ ساری بات سن کر اس طرح گم گم
ہوئی رہیں البتہ انہوں کا سبیل رواں ہلکوں کا بندھن

چمکا تھا۔ کافی دیر بعد شیرازی نے سر اٹھایا کیا اور انہیں
روئے دیکھ کر حیران ہوئے۔
”تم رورہی ہو۔؟“

”کیا اب بھی نہ روؤں، میری بیٹی کو میرے علم میں
لائے بغیر رخصت کر دیا یہ آنسوؤں کی روانی کے
سبب وہ بمشکل بول پائیں۔“

”میں کیا کرتا، اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔“

”ٹھیک ہے لیکن آپ مجھے بتاؤ کہتے تھے میں
طرح امی جان کو بتایا۔ یہاں آئے ہوئے بھی آپ کو
دو مہینے ہو گئے ہیں تب بھی خود سے ذکر نہیں کیا۔“
پھر ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے کہنے لگیں۔

”آپ کے نزدیک میری کوئی اہمیت نہیں اور خاص
طور سے مشرہ کے معاملے میں تو مجھے یوں الگ قلم
رکھتے ہیں جیسے میں اس گھر کی فردہی نہیں۔“

”یہ بات نہیں ہے۔“

”بس کر ہی شیرازی، اگر سوتیلی ماں بھی سمجھا ہوتا۔“

تب بھی اتنا بے خبر نہ رکھتے۔ وہ سچ بچ خفا ہو کر اٹھ
گئیں اور شیرازی بے حد ندامت محسوس کرتے ہوئے
سوچنے لگے۔

”کیا نام دوں اس عورت کو جو اس مقام پر مجھے
الزام دیتے ہوئے ملامت بھی کر سکتی تھی۔ لیکن نہ
کوئی الزام نہ کوئی ملامت بلکہ اس کی خفگی کا سبب
ہی کچھ اور ہے۔“

اور اس مقام پر شیرازی کو احساس ہو رہا تھا
کہ انہوں نے آسیہ بی کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ کاشی
وہ اول روز ہی مشرہ کو ان کی گود میں ڈال دیتے
تو آج یہ سب نہ ہوتا۔ آسیہ بی کی اہمیت اور اعلا
ظرفی کا اندازہ ہوتے ہی جہاں دل میں ان کی قدر و
منزلت بڑھی وہاں وہ گزشتہ رویے کی تلافی کا بھی
سوچنے لگے تھے لیکن کتنے بہت سارے دن گزر
گئے آسیہ بی اسی طرح خفا رہیں۔ جب تک وہ گھر
میں ہوتے کچن میں یا بچوں کے ساتھ مصروف رہتی
کسی وقت اچانک سامنا ہو جاتا تو کرا کر نکل
جاتیں۔

”بھئی، ایسا کب تک چلے گا؟ اس وقت وہ بچوں
کے کمرے میں بیٹھیں بنی کو ہوم ورک کروا رہی تھیں

جب شیرازی وہیں چلے آئے اور اُن کے سامنے بیٹھے ہوئے پوچھنے لگے۔ وہ خاموش رہیں بچے سے کہتے لگے۔

”دیکھو بیٹی! تمہاری امی مجھ سے بات نہیں کر رہی ہیں“

”پلیز شیرازی! بچے کے سامنے ایسی کوئی بات نہ کریں۔“ آسیہ بی نے خفگی سے دیکھتے ہوئے ٹوکا۔ ”چلو بچی، امی وی پر کارٹون آرہا ہے۔ نوٹی کے ساتھ جا کر دیکھو۔“ کارٹون کا نام سننے ہی بیٹی کتابیں وہیں چھوڑ کر بھاگ گیا تو وہ تکلیف کھینچ کر یوں لیٹے۔ ”کد آسیہ بی کا جھکا ہوا چہرہ لگا ہوں کی زد میں آ گیا۔“ ”ہاں بھئی، اب بتاؤ۔ یہ خفگی کب تک چلے گی؟“ ”میں کون ہوتی ہوں آپ سے خفا ہونے والی؟“ آسیہ بی روٹے لہجے میں بولیں۔

”تم ہی تو سب کچھ ہو“ شیرازی نے محبت کا انداز اپنایا۔ ”نہیں“ وہ سختی سے کہہ کر پیچھے ہٹیں اور بیڈ کی بیک سے کمر نکالی۔

”تمہاری خفگی بجا ہے۔“ وہ پُر سوچ انداز میں کہنے لگے، ”شرہ کے معاملے میں ہم نے واقعی تمہیں الگ تھلگ رکھا، لیکن یقین کر واس میں میرا کوئی دخل نہیں ہے۔ اصل میں میں گھر لو جھگڑاؤں میں پڑنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے امی جان جو کہتیں، میں مان لیتا۔“

”اور میرے کہے کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔“ ”سختی۔ یقیناً سختی لیکن میں کیا کرتا۔ امی جان کو خفا نہیں کر سکتا تھا۔“ آسیہ بی نے خفا کی نظروں سے دیکھا تو کہنے لگے۔ ”مجھے تمہاری خفگی کا بھی خیال رہا لیکن ساتھ ہی یہ یقین بھی کہ تم زیادہ دیر خفا نہیں رہو گی جلد مان جاؤ گی۔“

”اچھا؟ وہ استہزاء انداز میں نہیں؟“ صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ کو میری ناراضگی کی کبھی پروا نہیں رہی؟“

”ایسی بات نہیں ہے اس آؤہ فوراً بولے۔ پھر کیونکہ فوری مصالحت چاہتے تھے۔ اس لیے نظروں اور لہجے میں شرارت سمو کر کہنے لگے۔ ”چھوڑو یا راز“

جو روٹتے اور منانے کی عمر تھی۔ وہ تو تم نے یونی گرار دی اور اب میں اسے آپ کو بہت اناڑی محسوس کر رہا ہوں، کچھ میں نہیں آرہا تمہیں کس چیز کی فکر کروں؟ وہ سوچتے ہوئے بولے۔

”آؤ شکریہ کھاؤ گی؟ آسیہ بی بمشکل منہ بند کرنے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگیں۔

”اچھا تم ہی بتاؤ۔ کیا چاہیے؟“

”جو مجھے چاہیے، وہ آپ دینے کی استطاعت رکھتے ہوئے بھی نہیں دیں گے۔“ آسیہ بی بیڈ سے اترتے ہوئے بولیں اور جانے کو سختیں کہہ انہوں نے کلائی تھام لی۔

”کیا چاہیے تمہیں؟“ اُن کے لہجے میں تجسس تھا۔ اور آسیہ بی نے سوچا شاید یہی موقع اچھا ہے براہ راست اُن کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولیں۔

”الگ گھر۔“

”الگ گھر۔“ انہوں نے متعجب ہو کر دہرایا۔ تو وہ کہنے لگیں۔

”میں شاید ایسی خواہش کبھی نہ کرتی لیکن اس گھر میں جس طرح مجھے نظر انداز کیا جاتا ہے اس سے میں ایسا سوچنے پر مجبور ہوتی ہوں۔ یقین کریں میں تو اب تک اپنی حیثیت کا یقین ہی نہیں کر پائی اور نہ یہ جان پائی کہ مجھے یہاں کس مقصد کے لایا گیا تھا۔“

”تمہیں میرے لیے لایا گیا ہے۔“

”آپ کی ایسی باتیں مجھے سہارا نہیں دے سکتیں۔“ ”آپ نے اور امی جان نے ہر مقام پر میری نفی کی ہے۔ اب اگر میری ذات کا اعتراف ہے تو پہلے مجھے گھر دیں۔ یہاں میرا دم گھٹنے لگا ہے۔ آپ کے تین بیٹوں کی ماں ہونے کے باوجود خود کو غیر محفوظ تصور کرنے لگی ہوں۔“

”لیکن کیوں؟“ اُن کے لہجے میں آنسوؤں کی آمیزش محسوس کر کے شیرازی نے انہیں اپنے سامنے بٹھا لیا۔

”اس لیے کہ آپ امی جان کی ہر جائز و ناجائز بات کو حرف آخر سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا شرہ کو بائبل بیچ دو آپ نے فوراً عمل کر ڈالا۔ پھر شخص سنی کی وجہ سے سعد کے لیے بھی حکم اور اگر میں

سنی کو اماں کے پاس نہ بھیج دیتی تو وہ ایک ایک کر کے میرے سب بچوں کو گھر سے الگ کر دیتی۔ انہوں نے کہا مٹرہ کی فوٹا شادی کر دو آپ نے اس سے بھی اختلاف نہیں کیا اور اب مجھے لگتا ہے کسی دن وہ مجھے یہاں سے نکالنے کا حکم سنائیں گی اور آپ کھڑے کھڑے تین لفظ کہہ دیں گے۔

”نہیں آسیہ! ان کا لہجہ اگر کمزور نہیں تھا تو مضبوط بھی نہیں تھا۔ جیسی وہ اپنی بات پر قائم رہتے ہوئے بولیں۔“

”آپ خواہ کچھ بھی کہیں۔ میں بہر حال یہاں نہیں رہنا چاہتی۔“ اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گئیں جب کہ شیرازی اس کے بعد بھی بہت دیر تک وہیں بیٹھے رہے تھے اور جب وہاں سے اٹھے تو اپنے طور پر فیصلہ کر چکے تھے۔

اتنی جان کے لیے یہ خبر کسی ایٹم بم سے کم نہیں تھی کہ شیرازی الگ گھر خرید کر اب بیوی بچوں کے ساتھ اس میں شفٹ ہو رہے ہیں۔ تصدیق کے لیے شیرازی سے پوچھا تو انہوں نے اطمینان سے اعتراف کیا اور ان کا غیر متوقع اعتراف اتنی جان کو مزید طیش دلا گیا۔ پھر بھی ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے تو چھپنے لگیں۔

”یہاں کیا تکلیف ہے تمہیں؟“

”بات تکلیف کی نہیں ضرورت کی ہے۔ بچے بڑے ہو رہے ہیں اور میں سمجھتا ہوں یہ عہد وصال ان کے لیے سازگار نہیں ہے۔“

”صاف کیوں نہیں کہتے میاں کہ یہ بچی تمہاری بیوی کی پڑھائی ہوئی ہے۔ آخر کو ہے ناں مڈل کلاس۔ اپنے نظریات کیسے بدک سکتی ہے؟ اتنی جان کا راج آسیہ بی کی طرف مڑ گیا۔ اور اس سے پہلے کہ براہ راست ان سے کچھ کہتیں شیرازی بولی پڑے۔

”آسیہ کو الزام مت دیجیے اسے تو خود ابھی ابی معلوم ہوا ہے۔“

اور اتنی جان جہانگیرہ خاتون تھیں جانتی تھیں کہ جب مرد اپنی بیوی کے حق میں بولنے لگے تو پھر باقی رشتوں کا لحاظ بھلا دیتا ہے۔ اور جب ایک

بار کا لحاظ مل جائے تو پھر کبھی کسی بات کی گنجائش نہیں رہتی۔ جب کہ اتنی جان گنجائش رکھنا چاہتی تھیں کیونکہ مقابل شیرازی نہیں آسیہ بی تھیں اور آسیہ بی کے بارے میں ان کے سوچنے کا انداز ہی الگ تھا۔ یعنی وہ مڈل کلاس عورت ہمارے جتنی تھی اور ان کے مقابلے میں وہ خود جیت کر باری تھیں اور اول رد سے اپنی ہمارے طرح دل میں کائناتی تھی۔ اس کی چیمبرن اب بھی دل میں موجود تھی گو کہ یہ صرف ان کی اپنی سوچ تھی جیسے انہوں نے انا کا مسئلہ بنالیا تھا۔ اس لیے وہ آسیہ بی کو کسی بھی مقام پر سرخند نہیں دیکھنا چاہتی تھیں۔ بہر حال اس وقت انہوں نے شیرازی کو آسیہ بی کے حق میں بولتے دیکھ کر غلامی رہنے ہی میں مصلحت سمجھی اور بس اتنا کہا۔

”جہاں رہو سکتی رہو۔“

آسیہ بی خوشی سے الگ نہیں ہوئی تھیں۔ اس لیے نئے گھر اور اس کی سیاہ و سفید کی ملکیت نے ان پر شادی مرگ کی کیفیت طاری نہیں کی۔ البتہ تحفظ کے احساس نے طمانیت ضرور بخشی تھی۔ اور اب یہ خون بھی نہیں رہا تھا کہ اتنی جان کسی بھی وقت ان کے یا ان کی اولاد کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ سنا کر انہیں بے وقعت کر دیں گی۔ نئے گھر کی سنگت کرتے ہوئے انہوں نے خاص طور سے ایک کمر مٹرہ کے لیے مخصوص کیا۔ ان کا خیال تھا۔ مٹرہ کو یہاں آتے جاتے رہنا چاہیے۔ کیونکہ لڑکیوں کا اگر میکے سے بالکل ناتا ٹوٹ جائے تو پھر سسرال میں بھی ان کی اہمیت و حیثیت تسلیم نہیں کی جاتی۔ اور آسیہ بی کو یہ گوارا نہیں تھا کہ مٹرہ کسی مقام پر بے وقعت ہو اور پھر اپنے آپ کو تنہا محسوس کرے۔ وہ اس کی شادی اپنے ہاتھوں نہیں کر سکی۔ تھیں اس بات کا دکھ اپنی جگہ پھر بھی وہ اسے میکے کا مان دینا چاہتی تھیں۔ جیسی جب نئے گھر میں روزمرہ کے معمولات میں باقاعدگی آئی تو وہ شیرازی سے کہنے لگیں۔

”مٹرہ کی شادی کو چھ مہینے ہو گئے ہیں اس دوران وہ ایک مرتبہ بھی یہاں نہیں آئی۔ آپ اسے لکھیں یا فون کریں کہ کچھ دنوں کے لیے آجائے۔“

”میں اسے فون کر دوں گا پھر آگے حاد پر منحصر۔“

ہے کہ اسے بھونپتا ہے یا نہیں۔ حماد کے نام پر شیرازی کی پیشانی ٹھکن آلود ہو گئی تھی۔

”کیوں کیا وہ منع کرے گا؟ شیرازی کے لیے میں بیزار ہی محسوس کرنے کے باوجود آسیہ بی بی سے بات وہیں ختم نہیں ہونے دی۔

”میں کیا کہہ سکتا ہوں کیونکہ میں اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ پتا نہیں کس مزاج کا ہے۔“

”خواہ کسی مزاج کا ہو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ہم اپنی بیٹی سے بالکل بے خبر اور لاپرواہ ہو جاتیں۔ اول تو اسے خود شہ کو یہاں لانا چاہیے تھا۔ یا پھر ہو سکتا ہے، وہ ہمارے بلاوے کا منتظر ہوئے آخر میں پُر سوچ انداز میں بولیں تو شیرازی ان سے اتفاق کرتے ہوئے کہنے لگے۔

”ہو سکتا ہے، ایسا ہی ہو۔“

”پھر آپ کب اسے فون کر رہے ہیں؟“

”جب تم کہو۔“

”میں تو کہوں گی، آج ہی۔“

”آج؟ شیرازی سوچ میں پڑ گئے پھر کہنے لگے۔

”میرا خیال ہے فون کرنے کے بجائے ہم خود چلتے ہیں۔ تم حماد کے گھر کا ماحول اور حالات بھی دیکھ لینا تاکہ دل میں اکثر شبہات جو جمع لیتے ہیں ان سے چھٹکارا ملے۔“

”یہ ٹھیک ہے۔ کیونکہ میں بھی اکثر شہ کے بارے میں سوچتے ہوئے پریشان ہو جاتی ہوں خدا کرے وہ خوش ہو۔“

اب تک شیرازی قصداً آسیہ بی بی کے سامنے شہ کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ شاید ان کے لاشعور میں یہ بات تھی کہ وہ کیونکہ شہ کی ماں نہیں ہیں اس لیے انہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہو گی۔ گوکہ آسیہ بی بی ہر مقام پر اس کی ماں ہونے کا دعو کر تی آتی تھیں اور اگر شہ شروع سے ان کے پاس رہتی تو وہ اپنے دعوے کو سچ کر دکھاتیں۔ بہر حال پہلے کیونکہ شیرازی پر۔

امتی جان کی گرفت مضبوط تھی اس لیے آسیہ بی بی شہ کے لیے محبت کا اظہار کرتیں مگر وہ کوئی خاص توجہ نہیں دیتے تھے اور اب کیونکہ دل اور ذہن ایک طرح سے آزاد ہو گیا تھا اس لیے وہ زیادہ دیر تک آسیہ بی

بی نے ایک کی طرف اشارہ کیا۔ وہ شہ کی طرف سے بھی اس کی طرف سے اس سے پہلے گھر سے دوری کے سبب شہ نے جو قدم اٹھایا تھا۔ اس سے بھی انہیں آسیہ بی کی اہمیت کا اندازہ ہو گیا تھا اور اب تو وہ ہر بات ان کے ساتھ شہ کرنے لگے تھے۔ ساتھ ہی شدت سے یہ طالع بھی ہوتا کہ جب بچی کے لیے ماں کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے دوسری شادی کی تھی تو پھر بچی کو اس سائے سے محروم کیوں رکھا۔

پیرا بھی وہ آسیہ بی کے ساتھ شہ کے پاس اسلام آباد جانے کا پروگرام بنا ہی رہے تھے کمانی جان کا بلاوا آگیا۔ وہ اسی وقت کلینک سے لوٹے تھے۔ ابھی ڈریس بھی چینج نہیں کیا تھا کہ امتی جان نے فون پر فوراً آنے کے لیے کہا۔ آسیہ بی کھانے کی ٹیبل لگا چکی تھیں کہا بھی کھانا کھا کر جائیں لیکن وہ اسی طرح چلے گئے۔ پھر ان کی واپسی رات میں ہوئی خاصے ٹکے ہوئے اور پریشان نظر آ رہے تھے۔ اس لیے آسیہ بی نے فوراً کوئی بات نہیں پوچھی۔ بہت خاموشی سے انہیں کپڑے نکال کر دیے اور چائے بنانے چلی گئیں۔ اس دوران خود ہی ان کی پریشانی کا سبب سوچتی رہیں اور اسی طرح سوچتی ہوئی چائے لے کر انہیں تو شیرازی آنکھوں پر بازو رکھے لیٹے تھے۔

”چائے لے لیں شیرازی! انہوں نے پکار کر کہا تو وہ اکٹھے بیٹھے اور کپ لے کر گھونٹ گھونٹ پینے لگے۔

”امتی جان کے گھر سب خیریت تو ہے نا۔“ انہیں بولنے پر آمادہ نہ دیکھ کر خود ہی پوچھنے لگیں۔

”ہاں۔“ مختصر جواب اس کے بعد سوچتا ہوا اندازہ کیا کہوں، ظاہر کر رہا تھا۔ آسیہ بی خاموشی سے ان کے سامنے بیٹھ گئیں۔ تب وہ جیسے اپنے آپ سے بولے۔

”شہ آتی ہے۔“

”شہ آتی ہے؟“ آسیہ بی نے خوشی کا اظہار کیا کہ آپ اسے ساتھ کیوں نہیں لائے؟ حماد بھی ساتھ آیا ہے کیا؟

”یہ کپ لے لو؟“ آسیہ بی کی باتوں کے جواب میں

شیرازی نے ایک ہی ٹھونٹ میں چائے ختم کر کے غللی
کپ ان کی طرف بڑھا دیا۔ جسے لے کر ٹیبل پر رکھتے
ہوئے وہ بوجھنے لگیں۔
”ابھی تو ٹھہر رہے گی ناں؟“

”ہاں، اب کہاں جاتا ہے اسے۔ اب تو یہیں
رہنا ہے۔“ شیرازی کا لہجہ عجیب سا اور آواز دگلی لہے
ہونے تھا کہ آسیہ بی چوتھ گئیں۔
”کیا مطلب؟“

”حماد نے اسے طلاق دے دی ہے۔“
”کیا۔“ شیرازی کی آواز جتنی دھیمی تھی آسیہ بی کی اتنی
ہی اونچی تھی۔

”کیوں؟ میرا مطلب ہے کس لیے؟“
”کیوں اور کس لیے؟ کیا سوال آسیہ بیگم! تم اچھی
طرح جانتی ہو کہ اسی شادیوں کا ایسا ہی انجام ہوا
کر تا ہے۔“

”ہاں لیکن ضروری تو نہیں کہ ٹھہر کے ساتھ بھی
ایسا ہو۔ کس وجہ سے؟ کیا چاہتا تھا وہ؟“
”چنانچہ ٹھہر کچھ بتانے پر آمادہ ہی نہیں۔ اپنے
آپ کو گھر سے میں بند کر لیا ہے اُس نے۔“

”یہ تو بہت بُرا ہوا۔“ آسیہ تاسف سے بولیں۔
”انہیں حقیقتاً بے حد دکھ ہوا تھا اور سمجھ میں بھی نہیں
آ رہا تھا کہ شیرازی کو کس طرح سہارا دیں۔“
”شاید اسی میں کوئی مصلحت ہو۔“ بس اتنا کہا اور
خود رو پڑیں۔

”ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ حماد کو اگر کوئی
شکایت تھی تو ہم سے کہتا۔ ہم سمجھا دیتے، ابھی بھی
ہی تو ہے۔ وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں اور شیرازی
چپ چاپ انہیں دیکھے گئے۔

”اگلے دن شیرازی کلینک کے لیے تیار ہوئے تو
وہ ان کے پاس آکر کھینے لگیں۔“

”شیرازی! میں ٹھہر کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ آپ
مجھے آماں جان کے گھر چھوڑ دیجیے گا۔“

”اس وقت؟ شیرازی سوچتے ہوئے بولے۔
”ہاں، میں ناراض ہی تو ہوں۔ بچوں کی اسکول سے
واپس تک آیاؤں گی۔ انہوں نے اور کے کہا تو وہ جلدی
کے لباس تبدیل کرنے چلی گئیں۔“

پھر جب وہ شیرازی کے ساتھ اتنی جان کے کمرے
میں داخل ہوئیں تو ٹھہرہ وہیں موجود تھی شدت گریہ
سے اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر ان کا دلچسپ کٹ کر رہ
گیا۔ بڑھ کر اسے بازوؤں میں بھرنا چاہتی تھیں کہ وہ
اُٹھ کر دور جا کر رہی ہوتی۔

”بیٹی! اسی قدر کہا تھا کہ وہ پہنچ پڑی۔“
”مت کہیں مجھے بیٹی۔ میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں۔
اگر شروع سے آپ نے مجھے بیٹی سمجھا ہوتا تو میں گھر
سے بے گھر کیوں ہوتی؟“

”ٹھہرہ! شیرازی کے بیٹھے لہجے کا اس پر کوئی اثر
نہیں ہوا۔ وہ اسی طرح ہی جتنی ہوتی آواز میں کہنے لگی۔

”آپ ان کی طرف داری مت کیجیے بابا! یہ تو کوئی
ماں سے بھی بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ انہی کی بدولت
وادہ جان مجھے گھر سے دور بھیجے پر غبور ہوئیں۔ جہاں
مجھے کوئی روکنے ٹوکنے والا ہی نہیں تھا۔ انہی من مانی

گرتی رہی میں جس کا انجام دیکھ لیا آپ نے۔ اور
آپ لوگوں کا کیا بگڑا زندگی میری برباد ہوئی اور یہ
غص ان کی وجہ سے۔ آپ لے جاتے انہیں میں نہیں
مزید برداشت نہیں کر سکتی۔“

”تم انہی تمہی پر غلط الزام رکھ رہی ہو۔ آسیہ بی
کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھ کر شیرازی ان کی صفائی
میں کچھ کہنا چاہتے تھے کہ اتنی جان بول پڑیں۔

”شیرازی! تم دیکھ رہے ہو، سچی کی طبیعت ابھی
ٹھیک نہیں ہے تم خواہ مخواہ اسے پریشان مت کرو۔“

جاؤ بیٹی ٹھہرہ! تم اپنے کمرے میں جاؤ۔“
ٹھہرہ پیر جتنی ہوتی چلی گئی اور آسیہ بی تو جانتی
ہی تھیں شیرازی بھی جان گئے کہ ٹھہرہ کو ان سے
منتفر کیا گیا ہے۔ پھر وہ وہاں ر کے نہیں آسیہ بی کو لے

کر چلے آئے۔
”تمام راستہ آسیہ بی نے نہ صرف خاموش رہیں بلکہ

آنسوؤں کو اندر ہی اندر اٹارنے کی کوشش کرتی رہی
تھیں۔ چنانچہ کیوں وہ جتنی ٹھہرہ کی طرف کھینچتی تھیں

وہ اتنی ان سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ اور اسی تو
وہ یہ سوچ کر آتی تھیں کہ اسے اپنے ساتھ لے آئیں

گی لیکن اس نے بڑی طرح انہیں دھتکار دیا تھا۔
”کاش اس نے میری کوکھ سے جہم لیا ہوتا یا پھر

میرے اندر اس کے لیے اتنی محبت نہ جاتی۔ اہل
نے سوچا اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اترنا چاہتی
تھیں کہ شیرازی کہنے لگے۔

”آسیر خفا ہو؟ آسیر بی بی نے نفی میں سر ہلادیا۔
”اچھی بات ہے لیکن پلیر شرہ کی باتوں کو زیادہ

مست سوچنا۔

”مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں، اسے جوتایا
گیا اس نے وہی کہا۔ وہ اتنی جان کو الزام دے
سے باز نہ رہ سکیں۔

”میں جانتا ہوں۔ اتنی جان اچھا نہیں کر رہی۔
بہر حال تم فکر مت کرو۔ اپنی بے لوث محبت پر
یقین رکھو جو کبھی نہ کبھی شرہ کو تمہارے قریب
مردورے آئے گی۔“

”خدا وہ دن جلد لائے۔ آسیر بی بی نے کہا اور
کارٹھی سے اتر کر اندر چلی گئیں۔

پھر زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ ایک دوپہر
جب شیرازی کلینک سے لوٹے تو شرہ ان کے ساتھ
تھی۔ بے حد سنجیدہ اور خاموش خاموش سی کچھ کمزور
بھی لگ رہی تھی۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے اور
رنگت ساندولی ہو رہی تھی۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہو
کر وہ پھر اس کی طرف بڑھنا چاہتی تھیں لیکن اس
کا گزشتہ رویہ یاد کر کے وہیں لگ گئیں۔
”شرہ اب یہیں رہے گی ہمارے پاس۔“ شیرازی
یہ خوشخبری سن کر اپنے کمرے میں چلے گئے تو وہ اس
سے کہنے لگیں۔

”میں نے تمہارا کمرہ سیٹ کر رکھا ہے۔ آؤ تمہیں
دکھاؤں۔“ وہ چپ چاپ اُن کے ساتھ چل پڑی۔

اپنے کمرے کو دیکھ کر اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔
بیڈ پر یوں گرمی جیسے بہت دور سے چلتی ہوئی آئی
ہو۔

”کھانا کھاؤ گی؟ ان کے پوچھنے پر اس نے نفی
میں سر ہلادیا۔

”بھوک نہیں ہے یا۔“

”نہیں، میں کھا کر آئی ہوں۔“

”اچھا پھر تم آرام کرو۔ میں تمہارے پاس ہوں۔“

بھائیوں کے لیے کھانا لگا دوں۔ آسیر بی بی اس کے
کمرے سے نکل کر ڈائننگ روم میں آئیں تو سعد
کھانا لگا چکا تھا۔

”ارے؟ وہ ہنس دیں کیا زیادہ بھوک لگی ہے؟“

”ہاں اور آپ بیٹھیں۔ میں پاپا اور لونی
نبٹی کو بلا لاتا ہوں۔“ وہ عجلت میں کہتا ہوا چلا گیا۔
پھر کھانے کے بعد حسب عادت سب سونے
کے لیے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو وہ شرہ کے
پاس آ گئیں۔ وہ سوئی نہیں تھی۔ صحت پر نظریں
جمائے جانے کن سوچوں میں گم تھی۔ آہٹ پر یونہی
نظروں کا ناویہ بدل کر ان کی طرف دیکھا اور اٹھنے
لگی تھی کہ انہوں نے روک دیا۔

”بیٹی رہو۔ نیند نہیں آرہی کیا؟“
”نہیں۔“

”پریشان سوچوں میں گھری ہوئی تو نیند کیسے آئے
گی؟ شاید اسی لیے اتنی کمزور ہو رہی ہو۔“

”نہیں۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“
”کہا ہوا ہے؟“ وہ پریشانی سے بولیں۔ تمہارے
پاپا سے تمہوں کہ۔“

”نہیں اتنی؟“ وہ فوراً بول پڑی۔ پاپا سے کچھ
نہ کہیں۔“

”کیوں؟“

”میں کسی گمان کو لو جھٹ کے پاس جاؤں گی۔
وہ نظریں جھکائے ہوئے آہستہ آواز میں بولی۔

”ارے کیا تم ماں بتنے والی ہو؟ آسیر بی بی حیرت و
خوشی کا ملا جلا اظہار کرتی ہوئی اس کے پاس

آ بیٹھیں۔

”جی۔“

”یہ تو اچھی خبر ہے پھر تم اتنی رنجیدہ کیوں ہو؟“
اور وہ تکیے میں منہ چھپا کر رو پڑی۔

”ارے رے رو نہیں بیٹا؟ آسیر بی بی پریشان
ہو گئیں اور اس کا سر انہی گود میں رکھ لیا۔ لیکن وہ

چل کر اٹھ بیٹھی اور ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے
بولی۔

”کیا آپ بھی مجھ سے یہی کہیں گی کہ میں اس بچے

سے نکات حاصل کر لوں؟
 ”نہیں۔ کون کہتا ہے ایسا کرنے کو؟“ آسیہ بی
 بے حد حیران ہو کر پوچھنے لگیں۔

”دادی جان۔ وہ میری کوکھ اُجاڑنا چاہتی ہیں
 اس لیے میں یہاں چلی آئی ہوں لیکن آپ سُن لیں
 اگر آپ نے ایسی کوئی بات کی تو میں یہاں سے
 بھی چلی جاؤں گی۔“ وہ پھر اکھڑنے لگی تو آسیہ بی اس
 کے ہاتھ تھیک کر نرمی سے بولیں۔

”میں ایسی کوئی بات نہیں کروں گی بیٹا لیکن
 مجھے بتاؤ۔ تمہاری دادی جان ایسا کیوں چاہتی ہیں۔“
 ”اُن کا کہنا ہے کہ جب حماد سے کوئی تعلق نہیں
 رہا تو مجھے اس کے بچے کی ماں بھی نہیں بننا چاہیے
 اور وہ میرے آئندہ گھر سے میں سوچتے ہوئے
 بچے کو میرے پاؤں کی زنجیر اور راہ کی رکاوٹ کہتی
 ہیں۔“ پھر خود ہی کہنے لگی۔ ”ایک طرح سے وہ تھیک
 کہتی ہیں۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ بچے کے
 لیے ماں اور باپ دونوں کا ہونا کس قدر ضروری
 ہے۔ جس کی ماں نہ ہو وہ شمرہ اور باپ نہ ہو تو
 سنی۔“

”سنی! آسیہ بی کے اندر ہلکا ہلکا درد کر وٹیں
 لینے لگا۔ اور وہ کہہ رہی تھی۔

”اس کے باوجود میں ایسا نہیں کروں گی میں
 اپنی مانتا پر ظلم نہیں کر سکتی۔ اگر ایسا کر سکتی تو اپنا
 گھر نہ بچا لیتی۔ جیسا کہ حماد چاہتا تھا؟“
 ”کیا چاہتا تھا حماد؟“ آسیہ بی چونک کر پوچھنے
 لگیں۔

”یہی کہ میں ماں نہ بنوں۔“

”کیوں۔؟“

”کیوں۔؟ وہ کچھ دیر تک سوچتی رہی پھر کہنے لگی۔

”اصل میں حماد پہلے سے شادی شدہ اور دو بچوں کا
 باپ تھا۔ لیکن مجھ سے اس نے اپنی حقیقت پوشیدہ
 رکھی تھی۔ جب مجھے معلوم ہوا تو فطری بات ہے کہ میں
 چھینی چٹائی اور خفا ہوئی لیکن پھر مجھے سمجھنا کرنا پڑا۔
 کیونکہ میں طرح اپنی من مانی کر رہے ہوئے میں نے
 شادی کی تھی اس کے پیش نظر میرے لیے واپس کا

کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس لیے میں نے سوچا اگر
 وہ پہلی بیوی کے ساتھ میرے حقوق بھی پورے کرتا
 رہے تو زندگی کسی نہ کسی طرح گزار رہی جائے گی۔
 قدر سے توقف کے بعد کہنے لگی۔

”پھر جب مجھے اپنے وجود کے اندر ایک نئے وجود
 کا احساس ہوا تو میں نے سوچا تھا کہ اب میری حیثیت
 اپنی جگہ مستحکم ہو جائے گی لیکن جب حماد کو معلوم
 ہوا تو وہ بھڑک اٹھا۔ اس نے صاف کہہ دیا کہ
 کہ اسے مجھ سے اولاد کی خواہش نہیں ہے۔ اولاد
 تو اس کے پاس پہلے سے موجود ہے اور یہ کہ میں
 فوری طور پر اس سے چھٹکارا حاصل کر لوں لیکن
 میں نے اس کی یہ بات نہیں مانی۔“

وہ خاموش ہو گئی اور دوپٹے کے پلو سے اپنی
 گیلی آنکھیں صاف کرنے لگی۔ آسیہ بی کے پاس کہنے
 کو اور اسے سمجھانے کو بہت کچھ تھا لیکن اب جب
 کہ کچی عمر، کچے ذہن کی بدولت وہ سارے ناتے
 توڑ آئی تھی تو کچھ بھی کہنا بے کار تھا اس لیے وہ خاموش
 ہی رہی اور کچھ دیر بعد وہ کہنے لگی۔

”میرے ساتھ شروع ہی سے اچھا نہیں ہوا۔
 جی کی ڈیجے کے بعد باپ نے ایک سال بھی پورا نہیں
 کیا اور دوسری شادی کر لی۔ آپ تو ماں تھیں اگر
 اپنے بیٹے ہی کا خیال کر کے مجھے اپنی مانتا کے سامنے
 میں نے تین تو میں یوں حالات کا شکار نہ ہوتی۔
 لیکن آپ نے اپنے بیٹے کو خود سے جدا کرنا منظور کر
 لیا۔ میرے سر پر ہاتھ نہ رکھا۔“

وہ بڑے دھڑلے سے اپنی تباہی کا ذمہ دار نہیں
 ٹھہرا رہی تھی۔ آسیہ بی سنائے میں آگئیں۔ کافی دیر
 بعد اپنے آپ کو بولنے پر آمادہ کر سکیں تو کہنے لگیں۔
 ”تمہارا قصور نہیں ہے بیٹا ایک تو تم گھر سے دور
 رہی اور دوسرے تمہیں میرے بارے میں جو کچھ کہا

گیا۔ تم نے اسی کا یقین کیا۔ کبھی خود سے سوچو اور دیکھو
 کہ میں نے کیا کیا تمہارے ساتھ کرنا جان سکو تو اپنے
 باپا سے پوچھنا کہ تمہارے لیے میرے کیا احساسات تھے
 اور ہیں۔“
 اس کے ساتھ ہی آسیہ بی اس کے پاس سے اُٹھ

کر آئیں۔

چہرے سے پھسلتی ہوئی بیماری جو توں پر جا بٹھری۔
”بیٹھے کو نہیں کہیں گی؟ وہ اسے خاموش رکھ
کر بولا۔“

”ہاں بیٹھو۔ میرا مطلب ہے بیٹھیں۔ وہ کنفیوز
ہو گئی۔ سمجھ میں نہیں آیا اس سے کس طرح بات کرے۔
”تھینک یو۔“ وہ کہہ کر بیٹھا اور دوسرے
دیکھ کر۔ پوچھنے لگا۔ ”تمی کہاں ہیں؟“
”وہ اور پاپا کہیں ڈنر پر گئے ہیں۔“
”اور سعد وغیرہ؟“

”تینوں بھائی کو چنگ سینٹر گئے ہیں۔“
”اچھا؟ وہ یونہی اور دوسرے دیکھنے لگا۔
پر نظریں پھریں تو پورے سر آپے میں اٹھنے لگیں۔
”آپ تو عائشہ مری ہیں ہوتی ہیں ناں؟ اسے
جز بڑے ہوتے دیکھ کر بات کرنے کی غرض سے
بولی۔ ”تمی نے مجھے آپ کی شادی کے بارے میں لکھا
تھا۔ کیا کرتے ہیں آپ کے ہسبند؟“

”میں اب مری میں نہیں رہتی ہوں۔“ اس
کی بات کے جواب میں بس اسی قدر کہا۔
”اچھا۔ کب شفٹ ہوئیں کہاں؟“
”چھ ماہ ہو گئے ہیں۔“

”چھ ماہ؟“ وہ حیرت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ ”تمی نے
آپ کی یہاں شفٹنگ کے بارے میں مجھے نہیں لکھا۔“
”کیا ضروری ہے تمہیں یہاں کی ہر بات سمجھ
جائے؟“ وہ ناگواری سے بولی۔

”ہو سکتا ہے آپ اسے ضروری نہ سمجھتی ہوں لیکن
لیکن میں اس گھر سے باخبر رہنا ضروری خیال کرتا ہوں۔“
وہ اس کی ناگواری محسوس کر کے سنجیدگی سے بولا۔

”اچھی بات ہے۔ ضرور اس گھر سے باخبر رہیں
میری ذات سے نہیں۔“ اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ
کھڑی ہوئی اور وہ بھی اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

”شاید آپ کو میری کوئی بات ناگوار لگ رہی ہے۔ وہ
افردہ نظر آئے لگا اور وہ کوئی جواب دیے بغیر

اندر چلی گئی۔

”ویسی ہی سنگدل جیسی کہ ہوا کرتی تھی۔“ اس نے
سوچا اور دوبارہ کہہ کر بیٹھا تو اس کی پہلی ہیبت

انہیں ہمیشہ ایسی باتوں سے ڈکھ جاتا تھا۔ اب
بھی وہ اٹھنے کئی دن تک اندر ہی اندر کڑھتی رہیں
ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ شرہ آنکھیں رکھتے ہوئے
بھی ہمیشہ اتنی جان کی کہی باتوں پر یقین کیوں کر
لیتی ہے۔ اور اب تک تو وہ اسے سچی سمجھ کر اس کی
باتوں کو نظر انداز کرتی آئی تھیں لیکن اب جب کہ
وہ نیچے کی ماں بننے والی تھی تو ان کا خیال تھا اسے
اتنی عقل ضرور آجانی چاہیے کہ وہ اچھے برے کی
تمیز کر سکے۔

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ ایک ماں
جس طرح ایسے دنوں میں اپنی بیٹی کا خیال رکھتی ہے
آسیہ بی اسی طرح اس کا خیال رکھ رہی تھیں لیکن
خود کو منوانے کی کوشش انہوں نے ترک کر دی تھی۔

برآمدے اور اس سے آگے لان میں تاریکی
دیکھ کر شرہ اپنے کمرے سے لکل آئی۔ ٹیوب لائٹس
آن کیں پھر وہیں برآمدے میں بیٹھ گئی، ان دنوں
وہ پورے دنوں سے سچی، گوکہ ڈاکٹر نے حمل قدی
کا مشورہ دیا تھا لیکن وہ اتنی کمزور ہو گئی تھی کہ چند قدم
میں ہی تھک جاتی۔ اب بھی اپنے کمرے سے لکل تو
برآمدے میں بیٹھ گئی۔ ذہن۔ مختلف اور پریشان
خیالات کی آماجگاہ تو بنا ہی رہتا تھا۔ اس وقت
بھی وہ اپنے حالات کو سوچنے میں اس قدر محو تھی کہ
گیٹ کھلنے اور کسی کے آنے کی خبر ہی نہ ہوتی۔ گوکہ
آنے والا اپنے جو توں کی آواز پیدا کرتا ہوا آیا تھا۔
”ایکسی یونانی؟“ اس آواز پر اس نے چونک کر دیکھا۔
فل یونیفارم میں تینا نہیں کون تھا جس کی آنکھیں
ایک پل میں پہچان کی منزلیں طے کرتے ہوئے چلنے
لگی تھیں۔

”آپ شرہ ہیں ناں؟“ اس کے دیکھنے پر وہ استیقا
سے پوچھنے لگا۔

”جی اور آپ؟“

”سنی۔ کمیشن سکندر بخت۔“ اس کے ساتھ ہی
اس نے سیوٹ مارا تو اس کی نظریں یونہی اس کے

ساری باتیں یاد آنے لگیں۔
”تم میرے بھائی نہیں ہو۔ میں تمہیں نہیں پہچانتا۔“

”میں تمہاری باجی نہیں ہوں مجھے شرہ بی بی کہو۔“
”شرہ بی بی! وہ بچے سے بڑا بڑا اور سرگرمی کی
بیک سے نکلیا ہی۔ ستارہ گیٹ سے گاڑی داخل
ہوئے دیکھ کر سیدھا ہو بیٹھا۔ گاڑی سے اتر کر
شیرازی اور آسیہ بی اس طرف آئے تو وہ کھڑا ہو گیا
اور آسیہ بی کے اشارے پر پہلے شیرازی سے گلے ملا
پھر کسی معصوم بچے کی طرح ان کی آغوش میں سما گیا۔
”کب آئے۔؟“

ابھی کچھ دیر ہوئی۔
”کیسے ہو؟ شیرازی کا وہی عام سا انداز تھا۔ نہ
سرد مہرئی اور نہ گرم جوشی۔
”دعائیں ہیں آپ کی؟“ وہ شیرازی کے سامنے
موجب کھڑا ہوا۔

”سعد وغیرہ سے ملے۔ آؤ اندر آ جاؤ لیباں کیوں
کھڑے ہوئے؟ آسیہ بی اس سے باتیں کرتی ہوئی۔ سعد
کے کمرے میں آ گئیں۔
”آرام سے بیٹھو، میں پہلے تمہارے لیے چائے
لے آؤں۔“

”رہنے دیں مٹی۔ آپ ابھی تو آئی ہیں۔“
”تو کیا ہوا۔ یہ بتاؤ، پہلے کھانا کھاؤ گے یا؟“
”آپ تو غالباً دُور سے آرہی ہیں؟ وہ اُن کی
بات کاٹ کر بولا۔
”ہاں جیکین تمہیں کس نے بتایا؟“
”شرہ نے۔“

”شرہ سے ملاقات ہوئی تمہاری؟“
”جی۔ جب میں آیا وہ برآمدے میں بیٹھی تھیں۔“
پھر قصداً اس کے ذکر سے اجتناب برت گیا۔ ”سعد
وغیرہ کب آئیں گے سب شیک تو ہیں ناں؟“
”ہاں بس ابھی آتے ہوں گے۔ سب تمہیں بہت
یاد کرتے ہیں۔“

”کیا کر رہا ہے سعد؟ میرا مطلب ہے کون سی کلاس
میں ہے؟“

”انٹر میں ہے۔ وہ مارک و پوزیشن کے آگے۔“
”قابل باپ کا بیٹا ہے۔ پوزیشن ضرور لائے گا۔“
اس نے سادگی سے بہت عام سی بات کہی پھر بھی
آسیہ بی نے نظروں کا زاویہ بدل لیا اور۔ فرار کی خاطر
اُٹھتے ہوئے بولیں۔

”تم بیٹھو۔ میں کھانا لگواتی ہوں۔ سب بھائی مل
کر کھا لیتا۔ البتہ چائے میں تمہارے ساتھ بیویوں کی؟“
اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تو آسیہ بی کمرے
سے نکل گئیں۔

اپنے کمرے میں آئیں تو شیرازی لباس تبدیل کر
کے لیٹ چکے تھے۔ وہ خاموشی سے الماری سے
کپڑے نکال کر باتھ روم چلی گئیں واپس آئیں تو شیرازی
پوچھنے لگے۔

”سنی چلا گیا کیا؟ آسیہ بی کو بڑا عجیب سا لگا کہ ابھی
تو وہ آیا ہے اور ابھی اس کے جانے کی بات کر رہے
ہیں۔“

”نہیں۔“ پھر خود کلامی کے انداز میں بولیں۔ ”میں
سوچ رہی ہوں آج اسے یہیں روک لوں۔ چاہئیں
کتنے دنوں کی چھٹی پر آیا ہے۔“

”سعد وغیرہ آ گئے؟“ اُن کی خود کلامی سن کر بھی
شیرازی نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور بچوں کے بارے
میں پوچھنے لگے۔

”ہاں شاید، آواز تو آرہی ہے۔“
”اوکے۔ تم تو ابھی بچوں کو کھانا وغیرہ دو گی۔“
جب کہ مجھے نیند آرہی ہے۔ پلیز لائٹ آف کر تی
جانا۔“ وہ خاموشی سے لائٹ آف کر کے کمرے سے
نکل آئیں، پہلے کچن میں جا کر خود خانساماں کے
ساتھ کھانا لٹوا کر ٹیبل پر لگایا پھر بچوں کو بلانے
سعد کے کمرے میں آئیں تو دیکھا تینوں بھائی سنی کو
گھیرے ہوئے تھے۔

”چلو بچو! کھانا کھا لو۔“ انہوں نے کہا تو سب
کھڑے ہو گئے۔ ڈائننگ روم میں آ کر سعد پوچھنے لگا۔
”شرہ آئی کھانا نہیں کھائیں گی؟“
”اس کی طبیعت شیک نہیں ہے، میں اسے اس کے

”نہیں بیٹا! البتہ کل پھر آؤں گا۔ بلکہ جتنے دن یہاں ہوں روز آؤں گا۔“

”یہاں کیوں نہیں رہتے۔ یہیں رہو ناں! آسید برقی سمجھتے ہوئے بولیں تو وہ ان کا چہرہ دیکھنے یا شاید پڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔“

”اماں! سنی کو اپنے پاس رکھ لیا۔ ورنہ ایک کر کے میرے سب بچے فجر سے دوڑ کر دیے جالیں گے۔ برسوں پہلے اس کی ماں اسے خود سے جدا کرنے کا سبب بتاتے ہوئے رورہی تھیں اس کے ذہن پر آج بھی نقش تھیں وہ پانیوں سے لبریز آنکھیں۔ وہ ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے موقی جنہیں اس وقت اس نے اپنے منھے منھے ہاتھوں میں سمیٹا تھا اور پھر گزرتے وقت کے ساتھ جب جب اسے وہ لبریز آنکھیں یاد آئیں وہ خود سے عہد کرتا رہا تھا کہ کبھی ان موتیوں کو مٹی میں نہیں رکنے دے گا۔“

”ابھی تو میں ماموں جان کے پاس بھی نہیں گیا تھی! سیدھا آپ کے پاس آ رہا ہوں اور پھر یہاں رہوں یا وہاں ایک ہی بات ہے۔“

پھر نومی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”تم جا کر سوؤ۔ صبح اسکول بھی جانا ہے۔ میں کل شام میں آؤں گا تو پھر ڈھیر ساری گپ شپ کریں گے۔“ نومی اور بیٹی قدرے منہ پھلائے ہوئے چلے گئے تو آسیہ بی خانسا ماں کو چائے لانے کا کہہ کر۔

اطمینان سے اس کے سامنے بیٹھ گئیں۔

”ہاں اب سناؤ۔ کوئی نئی تازہ خبر؟“

”میرے پاس کوئی نئی خبر نہیں ہے۔ بس یہ کہ میری پوسٹنگ کوئٹہ ہو گئی ہے اور اب میں یہاں سے کوئٹہ جاؤں گا۔ البتہ آپ سنا لیں۔“ پھر بغور انہیں دیکھتا ہوا بولا۔

”کچھ کمزور لگ رہی ہیں۔ شاید اپنا خیال نہیں رکھتیں۔“

”بس بیٹا شمرہ کی طرف سے پریشان ہوں۔“

”کیا ہوا شمرہ کو؟“ اس نے انجان بن کر پوچھا تو آسیہ بی شمرہ کے تمام حالات بتا کر کہنے لگیں۔

”بہت غلط ہوا ہے اس کے ساتھ۔ ابھی اتنی عمر بھی نہیں ہے۔ اور پھر ماں بھی بننے والی ہے۔“

کہے میں دے آتی ہوں۔ چلو تم لوگ شروع کرو۔ وہ انہیں کھانے کا کہہ کر کچن میں چلی گئیں۔

”آپ بھی عجیب ہیں۔ سعد اپنی پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے بولا۔ ایک بات کو اپنے اوپر طاری کر لیا ہے۔ جیسی تو ہر وقت جبار رہتی ہیں۔“

”کون سی بات؟“ وہ چونک کر پوچھنے لگا۔

”وہی حماد سے علیحدگی والی۔“ سعد یوں بولا جیسے وہ پہلے سے جانتا ہو، جب کہ اس کے لیے خاصا بڑا انکشاف تھا اور حیران کن بھی۔ اور سعد اپنی کہے جبار ہا تھا۔

”میں تو کہتا ہوں۔ دفع کریں بلکہ ایک طرح سے اچھا ہی ہے جو ابھی حماد کی اصلیت کھل گئی ورنہ اگر چند سال بعد علیحدگی ہوتی تو زیادہ تکلیف دہ اور نقصان دہ ہوتی۔“

”کیا کہہ رہے ہو تم میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہونے کے باوجود سمجھ نہیں پایا۔

”میرا خیال ہے۔ سنی بھائی کو کچھ معلوم ہی نہیں۔“ نومی نے عقلمندی کا مظاہرہ کیا۔

”کیا واقعی؟“ سعد نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا تو وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔

”تم ہی آرہی ہیں ان کے سامنے یہ موضوع چھیڑنا ٹھیک نہیں ہے۔ وہ خفا ہوتی ہیں۔“ آسیہ بی کے قدموں کی آواز سن کر سعد نے جلدی جلدی کہا اور اپنی پلیٹ پر جھجک گیا۔ باقیوں نے بھی اس کی تقلید کی خود وہ بھی کھانے میں مصروف ہو گیا تھا لیکن اس کا ذہن مسلسل جھٹکتا رہا تھا۔ پھر کھانا ختم کر کے سب اٹھے تو آسیہ بی اس سے کہنے لگیں۔

”سنی! تم یہیں بیٹھو۔ چائے آرہی ہے۔“

”ہم لوگوں کو چائے نہیں ملے گی؟“ سعد رک کر پوچھنے لگا۔

”بالکل نہیں۔ تم جاؤ اپنے کمرے میں۔ اور نومی بیٹی! تم باہر سوئے کی تیاری کرو۔“

”جین جین! ابھی تو ہم سنی بھائی کے ساتھ گپ شپ کریں گے۔“ نومی نے کہا۔ پھر اس سے پوچھنے لگا۔ سنی بھائی آپ جیسے رہیں گے ناں؟“

میں اس کے مستقبل کا سوچتی ہوں تو مجھے خوف
آنے لگتا ہے۔ پتا نہیں کیا ہو۔ آگے اتنی پہاڑ کی زندگی
آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں نمی۔
”کیسے پریشان نہ ہوں۔ ماں ہوں اس کی؟
”ماں آوہ ذرا سائیکل ہوا۔“ کبھی اس نے بھی
ماں سمجھا آپ کو۔“

”سنی! انہوں نے تبھی لہجہ اختیار کیا۔ وہ نادان
ہے اور پھر شروع سے اسے میرے بارے میں جس
طرح سمجھا یا گیا، اس نے وہی سمجھا۔
”کبھی وہ نادان ہو گی لیکن اب نہیں۔ جب کہ آج
اس کے رویے سے مجھے لگا جیسے وہ اب بھی آپ
سے متنفر ہے۔“

”ہو سکتا ہے۔ وہ متنفر ہو پھر بھی میں مالوس
نہیں ہوں۔ کبھی نہ کبھی تو وہ جان لے گی کہ اول
روز میں نے اپنی مانتا کے جو دروازے اس کے
لیے کھولے تھے۔ انہیں وقت کی آندھیاں ایک پل
کے لیے بھی بند نہ کر سکیں۔“

”بس کریں نمی! اس کے لیے آپ کی اتنی محبت
میری کچھ میں کبھی نہیں آتی۔“

”اچھا چھوڑو۔ یہ بتاؤ۔ اب تمہارا شادی کا کیا پروگرام
ہے؟“ آسیہ بی نے خوبصورتی سے مومنوع دیا۔
”کیا مطلب۔؟“

”تم نے کوئی لڑکی پسند کر لی ہے یا یہ کام مجھے
کرنا پڑے گا۔“

”او نہ نمی! وہ سر کھانے لگا۔ یہ کام تو آپ ہی
کو کرنا پڑے گا لیکن ابھی نہیں۔“
”کیوں؟“

”ابھی میرا شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔“
”کیوں بھی۔ ماشاء اللہ اپنے پیروں پر کھڑے
ہو چکے ہو۔“ پھر اچانک خیال آیا تو کہنے لگیں۔
”تمہارے ماموں جان کی بیٹیاں بھی ہیں۔ اگر کہو تو
وہاں تمہاری بات چلاؤں؟“
”نہیں نمی! وہ فوراً بول پڑا۔
”کیوں کیا خامی ہے سارا اور ندرت میں؟“
”ایسی بات نہ کریں نمی، ان میں کوئی خامی نہیں
ہے۔“

پھر مباحثہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”وہ دونوں میری بیٹیوں کی طرح ہیں اور ان
کے بارے میں اس انداز سے کبھی سوچ بھی نہیں
سکتا۔ ماں پہلے ان کی شادیاں کروں گا پھر اپنے
بارے میں سوچوں گا۔“

”اچھی بات ہے۔“ آسیہ بی کا انداز سوچتا ہوا
ساتھا۔ اچھا ہوا کہیں نے تم سے بات کر لی ہو تو
مجھے دونوں لڑکیاں بہت پسند ہیں۔ اب تم نہیں تو
پھر میں سعد اور سارا کی بات چھیڑوں گی۔
”پہلے پاپا سے ضرور پوچھ لیجئے۔“ اس نے
پھر عام سی بات کہی اور آسیہ بی فوری طور پر کچھ
نہ کہہ سکیں۔ پھر اٹھتی ہوئی بولیں۔

”جب وقت آئے گا۔ ان سے بھی پوچھ لوں گی۔
ابھی تو سعد اور سارا دونوں ہی پڑھ رہے ہیں۔ ویسے
میرا خیال ہے شیرازی یا سعد دونوں میں سے کوئی
بھی میری بات رد نہیں کرے گا۔“ قدرے توقف
کے بعد کہنے لگیں۔ مجھے اصل فکر یہ ہے۔ خیر اللہ
مالک ہے۔“

”پاپا نے کیا سوچا ہے شہرہ کے بارے میں؟
”پتا نہیں۔ ابھی تک انہوں نے ایسی کوئی بات
نہیں کی جس سے مجھے اندازا ہو کہ وہ اس کے لیے
کیا سوچ رہے ہیں۔“

”پھر آپ کیوں خود کو ہکان کرتی ہیں؟ انہوں
نے شاکی نظروں سے دیکھا تو فوراً کہنے لگا۔ اللہ
مالک ہے کوئی نہ کوئی راستہ نکل ہی آئے گا۔
”تم اور چائے پیو گے؟“ وہ کپن کی طرف
جاتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

”نہیں۔ اب میں چلوں گا۔“ وہ گھڑی کی طرف
دیکھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس سے پہلے کہ وہ
اسے رکنے یا یہ ہیں رہنے کے لیے رسمی جملوں کا
سہارا لیتیں۔ وہ انہیں خدا حافظ کہہ کر وہاں سے نکل
گیا۔ آسیہ بی کچھ دیر تک ہتے ہوتے پردے کو دیکھتی
اور براؤن کے میس ابھرنے والی اس کے جوتوں کی
آواز سنھتی رہیں۔ پھر کچھ افسردہ سی ہو کر دوبارہ وہیں
بیٹھ گئیں۔
”میں نے کیا پاپا؟“ وہ سوچنے لگیں۔ کہتے ہیں۔

انسان اپنے اچھے کردار اور اچھے عمل سے ایک عالم کا دل جیت لیتا ہے۔ اور میں ایک عمر کی ریاضت کے بعد آج بھی وہیں کھڑی ہوں۔ مگر اسی طرح مجھ سے منتظر اور میرا بچہ سنی لا کھ اپنے آپ کو مضبوط پرور کرے اس کے قدموں میں شکست کی آواز ابھی بھی میں نے خود سنی ہے۔

سنی میرے بچے! وہ بے اختیار اٹھ کر برآمدے میں نکل آئیں جیسے وہ ابھی گیا ہو اور وہ اسے پکار لیں گی، لیکن دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ پھر بھی وہ چلتی ہوئی برآمدے کے آخری سرے تک آگئیں۔ گیٹ سے باہر سڑک کل تاریکی میں ڈوبی تھی اور ایسی ہی تاریکیاں ان کے اندر اترنے لگیں۔

”بتا نہیں کہاں کی رہی؟ وہ سوچنے لگیں۔ مجھ سے کوئی ہوتی یا سنے والے سارے پتھر تھے۔ جنہیں میرے خلوص کی مسلسل بارشیں بھی نہ ٹپکھا سکیں اور اس سارے قہقہے میں کسی کا کیا کیا۔ سراسر نقصان میں تو میں اور سنی رہے۔

”آسیہ! شیرازی غالباً ایک نیندے کر اٹھے تھے۔ کمرے کا دروازہ کھول کر سوئی سوئی آواز میں پکارتا تو وہ چونک کر جہاں تھیں وہیں کھڑی ہو گئیں۔ ”کیا بات ہے تم ابھی تک سوئیں نہیں؟“ وہ بقیہ کمروں میں خاموشی محسوس کر کے پوچھنے لگے۔ تو آسیہ بی کا دل چاہا کہیں؟ جس ماں کا بیٹا اس کے پاس رکنے کی حسرت لیے شکستہ قدموں سے گیا ہے۔ کیا وہ ماں اب سو کے تھی۔ لیکن وہ کچھ نہیں بولیں، خاموشی سے چلتی ہوئی ان کے قریب سے نکل کر کمرے میں آگئیں۔

پھر اگلی شام جب سنی آیا تو انہوں نے سوچا۔ آج وہ ہر صورت اسے یہیں روک لیں گی۔ اور کہیں گے جب تک اس کی چھٹیاں ہیں وہ یہیں رہے۔ لیکن اس سے پہلے ہی اچانک مگرہ کی طبیعت خراب ہو گئی۔ شیرازی کچھ دیر پہلے ہی کلینک گئے تھے۔ انہوں نے پہلے کلینک فون کیا، شیرازی ابھی وہاں نہیں پہنچے تھے۔ تب کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو فوراً شیشی ٹکوا کر مگرہ کو ہسپتال لے گئیں۔ جہاں گئے پھر بعد اس نے ایک بیٹی کو جنم دیا، گو کہ کیس نارمل تھا۔ لیکن کمزوری

کے باعث بعد میں مگرہ کی حالت تشویشناک ہو گئی۔ جس کی وجہ سے آسیہ بی کو کسی بات کا ہوش نہیں رہا۔ رات میں شیرازی چرنکہ خود ڈاکٹر تھے، اس لیے انہوں نے مگرہ کی ڈاکٹر سے مل کر اس کے بارے میں اطمینان حاصل کر لیا۔ ان کا خیال تھا۔ امی جان مگرہ کے پاس رہیں گی۔ اور وہ آسیہ کو ساتھ لے جائیں گے۔ لیکن امی جان بس کچھ دیر مگرہ کے پاس بیٹھیں۔ اور اس کی بیٹی کو تو انہوں نے دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ پھر فوراً واپسی کے لیے کھنکھیں۔ یوں اگلے دس دن آسیہ بی مگرہ کے ساتھ ہسپتال میں رہیں اور ان دنوں سنی ایک بار ان سے ملنے آیا۔ اور جاتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ ”ممتی! مجھے یہاں آنا اچھا نہیں لگا۔ پلیز آپ ہی کسی دن آجائیں ناں!“

اور وہ کوشش اور چاہنے کے باوجود نہیں جاسکی تھیں کیونکہ مگرہ کے ساتھ اس کی بیٹی کی دیکھ بھال بھی وہی کر رہی تھیں۔ پھر جب وہ گھر آئیں تو معلوم ہوا سنی کی چھٹیاں کیمل ہو گئی ہیں۔ اور وہ ایک دو دن میں کوثر چلنے والا ہے۔ انہیں بہت افسوس ہوا کہ ڈیڑھ دو سال بعد وہ آیا تھا اور وہ اس سے ٹھیک طرح سے ملی بھی نہیں تھیں۔ بہر حال وہ اب فوراً اس کے پاس جانا چاہتی تھیں۔ لیکن پھر یہاں کا مسئلہ بنا۔ کیونکہ مگرہ اپنی بیٹی کی دیکھ بھال کے قابل نہیں تھی۔ اور گھر میں سوائے خالناہاں کے اور کوئی ملازمہ بھی نہیں تھی۔ جس سے وہ بیٹی کا فیڈر بناتے اور پیپر وغیرہ تبدیل کرنے کا کہہ سکتیں۔

یوں اپنا جانا ملتوی کر کے انہوں نے سنی کو بلوایا۔ اور وہ آیا ضرور۔ لیکن انہیں مسلسل مگرہ اور بیٹی میں مصروف دیکھ کر بہت جلد واپس بھی چلا گیا۔ اس وقت تو اسے اپنی ماں پر واقعی حیرت ہوئی تھی۔ جب وہ بیٹی کو گود میں لیے کہہ رہی تھیں۔

”مگرہ کو مجھ سے چھینا گیا۔ لیکن دیکھو ویسی ہی بیٹی میری آغوش میں آسمان ہے اور اسے مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔“ بس کرمیں ممتی! وہ جھٹکا کر لولا تھا جس روز اس کی ماں ٹھیک ٹھاک ہو گئی۔ اسے ایک پل بھی

آپ کی آغوش میں نہیں رہنے دے گی۔
 ”ہیں بیٹا! میں اسے سمجھاؤں گی۔ اس کے لیے
 یہاں بہتر ہے کہ وہ بچی کو میرے پاس رہنے دے۔“
 ”اور وہ سمجھ جائے گی؟“ وہ طنز پر مبنی ہنستا تھا۔
 ”اسے سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ اب ہم شو کے لیے
 نئے برے سے سوچیں گے، اور کوئی بھی شخص
 مشکل ہی سے اس بچی کو قبول کرے گا۔“
 ”فرصت کریں ممتی اگر دوسرا شخص اس بچی کو ساتھ
 لے جانے پر راضی ہوا تب؟“ وہ پتا نہیں کیوں
 بحث کرنے لگا تھا۔

”تب یا آسیہ بی سوچ میں پڑ گئیں۔ اور بالکل
 غیر ارادی طور پر انہوں نے بچی کو اپنے سینے میں
 چسپائی لیا تھا۔ یوں جسے ابھی کوئی اسے چھینے آ رہا ہو
 اور وہ اسے دینا نہ چاہتی ہوں۔“
 ”آپ کو یہ بہت عزیز ہے؟“ وہ کھوٹے
 ہوئے ٹوٹے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔
 ”ہاں؟“ وہ بھی اپنے آپ میں نہیں تھیں۔
 ”کیوں؟“

”اس کے پس منظر میں تم اور مٹھرا ہوا اور وہ ہزاروں
 لاکھوں بچے کہ کسی کی ماں نہیں اور کسی کا باپ اور ہر
 دو صورتوں میں مامتا کی آغوش کو ترستے ہوئے۔ اگر
 ہر اہل چلے تو میں اپنی مامتا کے پر اس پوری کائنات
 پر پھیلا دوں کہ وہ ہزاروں لاکھوں بچے میری مامتا کے
 ساتھ نہیں چلے آئیں۔ کہیں کوئی محرومی نہ رہے کہیں
 کوئی تنگنی نہ رہے۔ میں ان سارے سی اور ساری
 مٹھرا کی طرف آنے والی گرم، سرد ہواؤں کو اپنے
 وجود پر سہاروں؟ پھر خود ہی کہنے لگیں۔
 ”میں شاید ایسا نہیں کر سکتی۔ لیکن اس بچی کے
 لیے تو کر سکتی ہوں۔ اتنا کہ اسے مٹھرا نہ بننے دوں بلکہ
 پھر لیکن اندر سے کاغذ سے زیادہ نازک کہ ذرا
 سے اشارے سے کر بچی کر بچی ہو جائے۔“
 ”آپ سے کس نے کہا کہ وہ کاغذ سے زیادہ
 نازک ہے؟“

جس ممتی کے
 ماما ہر بیوٹیشن کا تہ
سونیا شیپ

جسے ماما
 پہلی بار جڑی بوٹیوں کے
 وٹامن ای شامل کیا گیا
 ہاں گرنا ۵ قبل از وقت
 قدرتی چمک نہ ہونا ۵ خشک
 سونیا شیپ، بالوں کے
 کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا ہے
 ریٹھا اٹھیکوار اور دیگر جڑی بو
 اس میں وٹامن ای بھی شامل
 نے ثابت کیا ہے کہ وٹامن ای
 کے لیے اہم ہے اور خصوصاً
 چمک دار اور مضبوط بنانا
 بالوں کی صفائی کے لیے
 چیز ہے۔ یہ بالوں کے کو
 ہے اور بہتر سے کنڈیشن

قیمت: ۲/-

دوسرے شہروں میں رہتے
 ۳ ریشیوں کے لیے
 ۲ ایک شیٹی
 کامی آرڈر بھجوائیں۔
 ملنے کا پتہ
 عبدالملک سادہ کا
 پتہ شاپ فریڈ

۲/۹ بیت الفرقان فرسٹ
 بلاک C-13 مین یونیورسٹی
 گلشن اقبال

”میں جانتی ہوں۔ میں جانتی ہوں بیٹا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ایک عقور سے ان حالوں کو نہ پہنچتی۔ اصراف اس لیے نہیں کرتی کہ اپنی دادی کی طرح نام نہاد جھوٹی انا کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے۔ جس دن یہ لبادہ تار تار ہوا تم دیکھنا وہ اندر سے کتنی شکستہ اور معصوم سی لڑکی ہے۔“

انہوں نے یقین سے کہا تھا اور اس سے سنی کو لگا جیسے اس کی ماں دیوانی ہو گئی ہے۔

اور شاید وہ دیوانی ہی تھیں کہ جوار مان ٹمرہ کے لیے دل میں تھکتے وہ اب اس کی بچی پر ہورے ہوئے تھے۔ سارا دن اسی میں لگی رہتیں اور ٹمرہ کی حالت کے پیش نظر رات میں بھی اسی کے کمرے میں سوئی تھیں۔ بچی نیند میں ذرا سا کسمپاتی تو وہ اٹھ کر بیٹھ جاتیں اور اس کے رونے پر تو کتنی کتنی دیر تک اسے گود میں لے کر بھلتی راتی تھیں۔

ٹمرہ جہاں امی جان کے رویے سے رنجیدہ تھی۔ وہاں اُن کی بے غرض محبتوں اور خدمت گزاروں کی معترف ہوئی بار ہی تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک بار بچپن میں وہ اُن کے گرد و خدائے لگے تھی۔ کبھی وہ اُن کے بارے میں سوچتی تو حیران ہوتی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہ جس عورت نے بچپن میں اسے اپنی اکوش سے محروم رکھا۔ وہ اب اس پر اتنی مہربان کیوں ہے۔ اُسے یاد تھا جب وہ میٹرک کے امتحانوں سے فارغ ہو کر آئی تھی تو اُن کے نرم رویے کی تعریف کرتے ہوئے اس نے دادی جان سے کہا تھا۔

”دادی جان! آنتی مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔ مجھے لگتا ہے سعد نومی اور بنٹی سے بھی زیادہ۔“
”یہ سب دکھا دے۔“ دادی جان نے فوراً کہا تھا۔
اور پھر در و بھری آواز میں اُن کے بارے میں روں تفصیل بتاتی تھی۔

”یہ عورت نہیں ڈائن ہے۔ تم کیا جانو میری بچی! اس نے تم پر کیسے کیسے ظلم کیے ہیں۔ جب ہی تو میں نے تمہیں اسٹل بھیج دیا ورنہ اگر یہاں رہیں تو یہ پتا نہیں تمہارا کیا حشر کرتی۔ دیکھنے میں کتنی سیدھی لگتی ہے۔ میں اسے اس لیے بیاہ لائی تھی کہ یہ تمہیں ماں کی کمی محسوس نہ ہونے دے لیکن اس نے تو ایک دن بھی

تمہارے سر پر ہاتھ نہیں رکھا۔ اٹانم سے تمہارا باپ بھی چھین لیا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں کبھی فیروز کی دوسری شادی نہ کرتی۔ ماں نہیں تھی کم از کم باپ تو تمہارا رہتا۔“

لیکن دادی جان انہوں نے تو کبھی مجھ سے سخت بات نہیں کی۔ وہ گئے دنوں کو سوچتے ہوئے بولی تھی۔ ”بہی تو اس کی چالاکی ہے۔ جب سے تم بچھا رہی ہو تم سے بیٹھی بن کر ملتی ہے ورنہ تم خود ہی سوچو اگر یہ شروع سے ایسی ہوتی تو میں تمہیں اتنی دُور کیوں بھیجتی۔“

”یہ تو ہے۔“ اس نے دادی جان کی باتوں پر یقین کر لیا تھا۔ اور اسی دن کی اتنی محبتوں کو بناوٹ پر محمول کرنے لگی تھی۔ لیکن اب وہ کسی کسی وقت بہت پریشان ہو جاتی۔

”آخر اب وہ اتنی مہربان کیوں ہیں؟ کیوں میرا آنا خیال رکھتی ہیں۔ اب تو میں مکمل طور پر ان کے رحم و کرم پر ہوں۔ جو چاہیں میرے ساتھ سلوک کر سکتی ہیں۔ کوئی پوچھنے والا بھی نہیں پھر۔“

”ہو سکتا ہے دادی جان نے انہیں غلط سمجھا ہو۔ کسی وقت ایسا خیال آتا تو وہ اُلجھنے لگتی۔“

”لیکن دادی جان کو کیا ضرورت تھی۔ انہوں نے جو دیکھا ہو گا وہی مجھ سے کہا۔ وہ غلط بیانی کیوں کرنے لگیں۔“

انہی مختلف کیفیات میں گھرے کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ وہ پہلے بھی بہت زیادہ شوخ و خرد بازی کرتی تھیں مگر اب تو کچھ زیادہ ہی کم صدمہ رہتے لگی تھی۔ کبھی سعد زبردستی رنج لگاتا تو سب کے درمیان بیٹھ جاتی۔ ورنہ زیادہ تر اپنے کمرے ہی میں راتی تھی۔ ویسے بھی اب اسے اپنی غلطی کا احساس زیادہ ہونے لگا تھا۔ اس وقت تو یقیناً اس کی آنکھوں پر پریشانی بندھی تھی یا حماد کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا جو اس نے اپنے پاپا کا لحاظ نہیں کیا تھا۔ بے دھڑک کہہ ڈالا کہ ابھی اور اسی وقت حماد سے شادی کرے گی اور اب جب اُس وقت اور ان باتوں کو سوچتی تو اسے پسینہ آ جاتا۔ اپنے آپ پر حیرت بھی ہوتی کہ وہ کیسے اتنی دلیر ہو گئی تھی۔ یا ساری شرم و حیا کس طرح بالائے طاق رکھ چھوڑی تھی۔

میں کبھی شہزادی کی
نہ کم از کم باپ تو

بھی مجھ سے سخت
ہوئے بلی مٹی
سے تم بھلا ہوئی
ہی سمجھا اگر
دور کیوں

پیریتیں کر
بول کرنے
شان ہو

آنا
دکھ
کئی

جو کہ حادثے طبعی کے بعد یہاں آنے پر پایا
خبر سے ملامت نہیں کی تھی لیکن وہ خود ہی ان سے
دبے لگی تھی۔ ان کا سامنا کرنے کی ہمت بالکل نہیں
تھی۔ اگر دادی جان اس کی کوکھ اُجاڑنے کی بات نہ کرتیں
تو شاید وہ کبھی پایا کے گھر نہ آتی۔ لیکن اور کوئی جگہ نہیں تھی
جہاں وہ جاتی۔ اس لیے مجبوراً اسے یہاں آنا پڑا۔
اپنے طبع پر وہ کوشش کرتی تھی کہ پایا سے سامنا نہ
ہو کیسے ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے یہ ممکن نہیں تھا۔
کسی وقت اچانک سامنا ہو جاتا۔ تو وہ کھڑک نکل جاتی۔
اس کا خیال تھا ڈیلیوری کے بعد وہ پھر دادی جان کے
باس میں چلے گی لیکن دادی جان اپنی بات رد کیے جانے
پر ایسی خفا تھیں کہ اس کی بیٹی کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا اور
نہ ہی اسے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا تھا۔
اسے ملاں مزدور تھا لیکن جب وہ دونوں گھروں کا
موازنہ کرتی تو اپنے آپ کو یہاں بہتر حال میں پاتی۔ یہاں
نہ تو کوئی اس کی غلطی کو بار بار دہراتا تھا اور نہ وقت
بے وقت ملامت ہوتی اس کے برعکس سب کی کوشش
یہ تھی کہ وہ حامد گیلانی کے ساتھ گزربے مختصر وقت کو فراموش
کر دے۔ بلکہ یوں سمجھے کہ اس کی زندگی میں وہ ماہ و سال
آئے ہی نہیں تھے۔ اور وہ کوشش کے باوجود ان تلخ
یادوں کو فراموش نہیں کر پا رہی تھی۔
حامد گیلانی کی شخصیت تو سحر انگیز تھی ہی۔ اس کی
باتوں میں بھی وہ جادو تھا کہ وہ بچے ذہن اور ناپختہ عمر کی لڑکی
اس بڑی طرح اس کے جال میں پھنسی کہ اس کی خاطر سارے
رشتوں کو بھلا بیٹھی تھی۔ اگر وہ اس کے ساتھ غلط ہوتا تو
یقیناً وہ اپنے آپ کو خوش قسمت ترین لڑکی سمجھتی اور
اس وقت تک تو وہ اپنے آپ پر رشک کرتی ہی رہی
تھی جب تک اس کی اصلیت سے واقف نہیں ہوئی
تھی۔ اور اصلیت جاننے کے بعد جس بڑی طرح وہ ٹوٹی
تھی تو اب تک اپنے آپ کو سمیٹنے میں مصروف تھی۔ گو کہ
اس کی طبیعت اب پہلے سے کافی بہتر تھی۔ صحت بھی
اچھی ہو رہی تھی لیکن دل درد سے آشنائی حاصل کر کے
باقی ہر شے سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ کئی
آئینہ فی سے مانوس ہو گئی تھی اور زیادہ تر انہی کے پاس
رہتی تھی۔ ورنہ وہ کبھی اس آئینہ پر توجہ نہ دے پاتی۔
پھر آئینہ کے بار بار سمجھانے پر وہ گھر کے کاموں

میں حصہ لینے لگی۔ یوں اس نے خود محسوس کیا کہ جب تک
وہ مصروف رہتی ہے تلخ یادوں سے واسن بچا جاتا ہے
پھر وہ خود مصروف رہنے کے بہانے ڈھونڈنے لگی۔
کبھی گھر کی صفائی سنتھرائی۔ کبھی ترتیب بدلتی اور کبھی نانا کا
کوہنکا کر خود اس کی جگہ کھڑی ہو جاتی۔
رفتہ رفتہ اس کے وجود پر چھا ہمو ٹوٹنے لگا
اور وہ پھر سے زندگی کی طرف لوٹنے لگی۔ عہد رفتہ
نانا کافی حد تک ٹوٹ گیا تو وہ ہی آپ ہی آپ کے
ولے دونوں کی طرف سفر کرنے لگا۔ اور بہت ساری
باتیں سوچتے ہوئے آخر میں وہ اس خیال پر گرفت
مضبوط کر لیتی تھی کہ پایا اور آئی کی موجودگی میں اسے
اپنے بارے میں سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ جو
اس کے لیے بہتر سمجھیں گے کرے گا۔
اس وقت وہ دو پہر کا کھانا پکا کر کچن سے نکلی تھی۔
دوپٹے کے پلو سے پسینہ صاف کرتے ہوئے اپنے
کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ سنی کو کتے دیکھ کر وہیں
رک گئی۔ اس نے دور سے اسے اٹھ کے اشارے
سے سلام کیا پھر قریب آکر پوچھنے لگا۔
"مٹی کہاں ہیں؟"
"وہ اپنے بھائی کے گھر گئی ہیں۔ پھر پھر سوچ انداز
میں بولی۔" تم بھی تو غالباً وہیں رہتے ہو۔ تمہاری آن
سے ملاقات نہیں ہوئی؟
"میں آج کل کوئٹہ میں ہوں اور اس وقت سیدھا
یہیں آ رہا ہوں۔ اگر معلوم ہوتا کہ مٹی ماموں جان کے گھر
گئی ہیں تو وہیں چلا جاتا۔"
"آؤ۔ اندر چل کر بیٹھو۔ وہ اسے پلٹنے پر آمادہ دیکھ
کر بولی۔
"میرا خیال ہے میں چلوں۔"
"اس طرح تمہاری آنٹی سے ملاقات نہیں ہوگی؟"
"کیا مطلب؟"
"آنٹی آنے والی ہیں۔ انہوں نے کہا تھا وہ دو پہر کا
کھانا نہیں آکر کھائیں گے۔"
"اچھا؟ وہ سوچ میں پڑ گیا۔
"تم سعد کے کمرے میں چل کر بیٹھو۔ میں تمہارے
لیے آسکالٹش آکر گھر میں موجود ہوں تو۔"
"اسکالٹش آکر گھر میں موجود ہوں تو۔"

وہ ہمیشہ سے مختلف اس لڑکی پر ایک نظر ڈال کر
سعد کے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور وہ کچن
کی طرف چلی گئی۔ جلدی جلدی اسکو انش بنا کر سعد کے
کمرے میں آئی تو وہ جو جوتوں سمیت بیڈ پر دراز تھا
اسے دیکھ کر فوراً اٹھ بیٹھا۔

”گھر میں اور کوئی نہیں ہے؟“ اس کے ہاتھ سے
گلاس پیتے ہوئے اس نے پوچھا۔

”سب آنے والے ہیں۔ پایا کلنک سے۔ سعد نومی
اور بنی کارلج سے اور آنٹی اپنے میکے سے۔“

”آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟“ وہ ایک ہی
سانس میں گلاس خالی کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے
پوچھنے لگا۔

”مجھے کیا ہوا ہے؟“ وہ اٹا اس سے پوچھنے لگی۔
”بچھلی بار میں آیا تھا تو اس وقت آپ ٹھیک نہیں
تھیں۔“

”اچھا۔“ وہ ہنسی۔ ”غالباً چھ مہینے پہلے کی بات کر
رہے ہو تم۔ تو کیا اب تک میں اسی حالت میں رہتی۔“
میرا مطلب ہے یہ تھار۔“

”نہیں۔“ وہ کنفیوز ہو گیا۔ اصل میں مٹی نے بھی
ایک دو بار دیکھا تھا کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی
اور وہ خاصی فکر مند تھیں۔“

”آنٹی تو یہ بھی ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتی
ہیں۔“

”خاص طور سے آپ کے لیے۔“ وہ بے اختیار کہہ گیا
پھر فوراً سنبھل کر بولا۔ ”آپ کی بیٹی کیسی ہے؟“
”ٹھیک ہے۔“

”کہاں ہے؟ کیا وہ بھی کہیں گئی ہوئی ہے؟“ اس
نے اپنی بات کو مزاح کا رنگ دیا۔

”ہاں! وہ ہنس پڑی۔ ”وہ آنٹی کے ساتھ گئی
ہے۔“

”کیا مطلب۔ کیا وہ آپ کے بغیر رہ جاتی ہے؟“
”اں! میرے بغیر تو رہ جاتی ہے۔ البتہ آنٹی کے بغیر
نہیں رہ سکتی۔“ وہ خاموش رہا۔ اصل میں مجھ میں بھی نہیں
آرا تھا کہ اب کیا بات کرے۔

”تمہیں اگر جھوک لگی ہو تو کھانا لگا دوں؟“ وہ اس
کے خاموش رہنے پر پوچھنے لگی۔

”نہیں۔“

”میرا خیال ہے! بات تو لے لو۔ فریڈس ہو جاؤ گے۔
اسنے میں سب لوگ آجائیں گے۔ پھر مل کر کھانا کھا لیں
گے۔“ وہ اس سے تین سال بڑی مٹی تو اسی حساب سے
بات کر رہی تھی جبکہ وہ بڑا عجیب سا محسوس کر رہا تھا۔
”نہیں! میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔“

”تمہاری مٹی۔“ میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ کچھ پہلے
میلے سے لگ رہے ہو۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو کہہ دیا
”اچھا کر بولی۔“ آنٹی کو میلے پختے لپٹے جیسے لگتے۔“

”اور آپ کو؟“ اس نے براہ راست اس کی آنکھوں
میں دیکھ کر پوچھا تو لمحو بھر کو وہ زور سے ہو گئی پھر فوراً سنبھل
کر بولی۔

”میرا خیال ہے۔“ میلے پختے کسی کو بھی اچھے نہیں لگتے۔“
”آپ صرف اپنی بات کر رہی۔“

”مجھے بھی نہیں۔“ یہ کہتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی
اور ہلنے کو مٹی کو کہنے لگا۔

”میں پتھر نہیں ہوں اور نہ ہی میلا۔“ مجھے دیکھنے والی
آنکھ میں میل ہو سکتا ہے۔ مجھ میں نہیں۔“ اس نے ایک
نظر سر تاپا اسے دیکھا اور کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل
گئی۔

پھر ایک ایک کر کے سب آگئے تو اس نے خانا سال
کے ساتھ مل کر ٹیبل پر کھانا لگا دیا۔ کھانے کے دوران
شیرازی نے رسمی جملوں میں سنی سے اس کا حال
پوچھا اور سب سے پہلے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے
گئے۔ سنی اب ان باتوں کو اگر محسوس کرتا بھی تھا تو ظاہر
نہیں ہونے دیتا تھا۔

”مٹی! میں اب بہت تنہائی محسوس کرنے لگا ہوں۔“
کھانے کے بعد وہ آسیہ بی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں
آیا تو کہنے لگا۔

”اسی لیے تو میں کہتی ہوں! شادی کر لو! آسیہ بی نے
فوراً حل بتایا۔

”نہیں مٹی! میں چاہتا ہوں! آپ میرے ساتھ
چلیں۔“

”میں کیسے جا سکتی ہوں؟“
”ہیئر مٹی! انکار نہ کریں۔ بس کچھ دنوں کے لیے۔“
وہ چھوٹے سے معصوم بچے کی طرح منت سے بولا۔

تم یہاں کیوں نہیں آ جاتے؟

لیکن کیا؟ وہ خود بول پڑیں۔

تم ثمرہ سے پوچھ لو۔

اس سے بھی مزید پوچھوں گی، پہلے آپ تو ہی پوچھیں۔
وہ اسی وقت جواب سننا چاہتی تھیں۔

میں کیا کہوں، بیٹا بھی تمہارا اور بیٹی بھی تمہاری۔
جو چاہے کرو۔

وہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ
اس وقت آپ صرف بیٹی کے باپ بن کر موجود ہیں اور
فیصلہ کریں تو آپ کیا کہیں گے؟ وہ یقیناً مکمل اطمینان
چاہتی تھیں۔ اور شیرازی کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگے۔

پوری ایمانداری سے کہوں گا کہ سنی سے اچھا شرہ
ثمرہ کو نہیں مل سکتا۔

آج؟ وہ خوش ہو گئیں۔

ہاں، جو صورت حال ثمرہ کو درپیش ہے، اس لحاظ

سے تو یہی بہتر ہے پھر بھی ثمرہ سے مزید پوچھنا۔

وہ ظاہر ہے اس کی مرضی کے بغیر تو کچھ نہیں ہوگا۔ میں

کل ہی اس سے بات کر دوں گی۔ اور میرا خیال ہے آپ

امتی جان سے بھی بات کریں۔

امتی جان سے؟

ہاں، ہو سکتا ہے، انہوں نے ثمرہ کے لیے کچھ اور

سوچا ہو، شیرازی کچھ دیر تک ان کی طرف دیکھتے ہوئے

کہنے لگے۔

امتی جان نے خواہ کچھ بھی سوچا ہو تب بھی میں سمجھتا

ہوں ثمرہ کے لیے یہی بہتر ہے اور یہ بات میں انہیں

بھی سمجھا دوں گا؟ آسیہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور جب

انہوں نے ثمرہ سے پوچھا تو وہ کتنی دیر تک حیرت

اور غیر یقینی سے ان کی طرف دیکھتی رہی پھر وہی بات

کی جو شیرازی نے کی تھی۔

لیکن آئی! میں اس سے بڑی ہوں؟

بہت زیادہ بڑی نہیں ہو اور دیکھنے میں چھوٹی ہی

لگتی ہو؟

پھر بھی آئی! میں اس کے ساتھ عجیب سا محسوس

کروں گی؟

کیوں؟

چتا نہیں؟ پھر خیال آتا تو پوچھنے لگی؟ آپ نے

میں بھی ایس آپ میرے ساتھ چلیں؟

بیٹا! تم سمجھ نہیں رہے۔ یہ بچی میرے بغیر نہیں

رہ سکتی۔ میں کیسے اسے چھوڑ کر جاؤں؟

یہ بچی؟ وہ تائیں پر سوئی بچی کی طرف دیکھنے لگا

اور دلچسپی سے اسے دیکھا اور اسے کہے۔ لے جاؤ

اپنی بچی کو اور کچھ وقت کے لیے میری ماں کو صرف میری

ماں رہے دو۔ وہ بمشکل اپنی آواز کو دبا پایا لیکن اس

چاہک خواہش کو کسی طرح نہیں دبا سکا تھا۔

پہلی بار سنی کا خط پڑھ کر آسیہ بی بی بے حد حیران ہوئیں۔

دوسری بار پڑھا تو سوچ میں پڑ گئیں اور تیسری بار پڑھتے

ہوئے ان کے ہونٹوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ کھیلنے لگی

تھی۔ پھر وہ بے چینی سے شیرازی کا انتظار کرنے لگیں۔

اس دوران مثنیٰ بار ثمرہ پر نظر پڑی ہر بار انہوں نے دل

میں ڈھرایا۔

حیرت ہے؟ یہ بات میں نے کیوں نہ سوچی؟

شیرازی اپنے مقررہ وقت پر لگے کھانے وغیرہ

کے بعد جب وہ فراغت سے ان کے پاس بیٹھیں تو کہنے

لگیں۔

آج سنی کا خط آیا ہے؟ جواب میں وہ ایک نظر ان

پر ڈال کر دوبارہ میگزین کی طرف متوجہ ہو گئے۔ تب وہ

بغیر کسی تمہید کے بولیں۔

وہ ثمرہ سے شادی کرنا چاہتا ہے؟

کون؟ اب کے شیرازی چونکے ضرور لیکن غائب

دماغی سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔

میرا بیٹا سنی؟ آپ ہی آپ ہلچے میں زعم سمٹ

آ گیا۔ جیسے کہ رہی ہوں ہزاروں لاکھوں نہیں کروڑوں

میں ایک ہے۔ تمہاری بیٹی کو اس جیسا کہیں نہیں ملے گا۔

سنی؟ شیرازی کے صرف ہونٹ ہلے پھر پھر سوچ

انداز میں بولے۔ لیکن وہ تو غالباً ثمرہ سے چھوٹا ہے؟

تو کیا ہوا؟ میرے نزدیک تو یہ کوئی قابل اعتراض

بات نہیں ہے اور پھر جب روکا خود اس بات کو انیت

نہیں دے۔ تو تم؟

وہ تو ٹھیک ہے لیکن؟

قریب جس ہو جاؤ گے۔
پھر مل کر کھانا کھا لیں
تو اسی حساب سے
محسوس کر رہا تھا۔

یہ بچی کہ کچھ بولے
کر دیکھا تو کہہ دے
گئے۔
کی آنکھوں
میں آئینے

دکھتے۔

ہوتی

نی

سنی سے بھی پوچھا ہے۔

اس کی خواہش پر ہی میں ایسا کر رہی ہوں۔ میرا مطلب ہے اس نے لکھا ہے کہ وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔

میرے حالات جتنے کے باوجود وہ نظروں جھکا کر بولی۔

اے! آئیہ بی نے اس کے اٹھ تمام لیے توہتا نہیں کیسے اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

ارے روتی کیوں ہو بیٹا؟

آئیہ! میں نے تو کبھی آپ کے لیے مثبت انداز

سے نہیں سوجا۔ پھر آپ کیوں؟

میری جان! آئیہ بی نے اس کا سراپے کندھے سے لگایا۔

اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ تمہیں اگر مثبت انداز سے سوچنا سکھایا گیا ہوتا تو تمہیں ضرور اندازہ ہوتا۔ میری محبتوں اور شفقتوں کا۔

پھر بھی میرے منفی رویے کی بدولت آپ اپنی محبتوں کے پرمیٹ بھی تو سکتی تھیں؟

نہیں بیٹا! اولاد کے لیے دامن کبھی تنگ نہیں ہوتا۔ محبتیں کبھی تنگ نہیں پڑتیں۔ پھر اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر بولیں۔

تمہارے دل میں اب بھی کوئی خدشہ ہو تو کہہ ڈالو۔ میں بالکل برا نہیں مانوں گی؟

نہیں آئیہ! میرے بارے میں آپ کو اختیار ہے۔ جو چاہیں کریں۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ میں سنی کے قابل نہیں ہوں۔

تم کس قابل ہو، یہ میں تم سے زبانا سمجھتی ہوں۔ انہوں نے اس کی پیشانی چومی پھر اٹھتے ہوئے بولیں۔

اب تم نے رونا نہیں ہے۔ اور سنو۔ سنی کے بارے میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔ تم اس کے ساتھ خوش رہو گی؟

پھر سنی کیونکہ اپنے ماموں ممانی کے پاس تھا۔ اس لیے آئیہ بی کی خواہش پر ان کے بھیا اور بھابی سنی کے سر پرست کی حیثیت سے باقاعدہ اس کا پیغام لائے۔ وہ گھر کی ایک تقریب میں دونوں کی نسبت کا اعلان

کرتے ہوئے شادی کی تاریخ بھی رکھ دی گئی۔

امتی جان نے اس تقریب میں شرکت نہیں کی تھی کیونکہ انہوں نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ آئیہ بی کسی مقام پر سرخرو ہوں۔ ہمیشہ رکاوٹ بننے کا کوشش کی لیکن آئیہ بی جس مقام پر آئیہ بی سرخرو ہو رہی تھیں۔ وہاں کوئی رکاوٹ کھڑی کرنے کا حوصلہ امتی جان میں نہیں تھا۔ وہ لاکھ ٹروے خفا سہی آئیہ بی سے متنفر تھی لیکن یہ ضرور جانتی تھیں کہ ٹروے کے ساتھ ساتھ اس کی بچی کے خوش آئند مستقبل کی ضمانت سنی کے علاوہ اور کوئی نہیں دے سکتا۔

شادی کے بعد ٹروے بچی کو ساتھ لے جلتے یا آئیہ بی کے پاس پھوڑ دے۔ ہر دو صورتوں میں بچی کے لیے امان ہی امان تھی اور وہ لاکھ کسی کے سامنے اعتراف نہ کرتیں لیکن ٹروے کے غلط اقدام نے انہیں یہ باور کرا دیا تھا کہ غلطی ان ہی سے ہوئی تھی۔ اگر وہ طرف بڑا کر تھیں تو اسی وقت تسلیم کرتے ہوئے آئیہ بی کی اہمیت بھی تسلیم کر لیتیں۔ لیکن وہی حیت کرانے والی بات کہ دوبارہ ہار ایک تو گوارا نہ ہوئی۔ دوسرے دل میں بھی ترازو ہو گئی تھی۔ جب ہی انہوں نے سارا الزام آئیہ بی کے سر رکھتے ہوئے ٹروے کو یہ کہہ کر ان سے مزید متنفر کیا تھا کہ اگر آئیہ بی اس کے سر پر دست شفقت رکھ دیتیں تو کبھی اسے گھر سے دھرنہ بھیجا جاتا۔ اور نہ اس کے ساتھ ایسا کوئی المیہ ہوتا لیکن وقت بڑا نا صبح ہے۔ کہیں نہ کہیں حقیقت سامنے لے ہی آتا ہے۔ یا پھر آئیہ بی کی اچھی سوچ اور نیک نیتی سے عمل بارگاہِ مزدوں میں مقبول ہوا کہ جو اپنے لیے چاہو وہی دوسرے کے لیے۔

ٹروے اور سنی ایک ہی کشتی کے سوار دو معصوم بچے۔ انہوں نے جس طرح سنی کے لیے سوچا اور چاہا۔ وہی جذبہ ٹروے کے لیے بھی رکھتی تھیں پھر خواہ حالات کیسے بھی رہے۔ وہ اول روز جو عزم لے کر چلی تھیں۔ اس پر ہمیشہ ثابت قدم رہیں۔

اور یقیناً یہ ان کی نیک نیتی اور ثابت قدمی کا انعام تھا جو اس وقت شیرازی، سنی کو ساتھ لگائے کہہ رہے تھے۔

بیٹا! ابھی تو تمہاری چھٹیاں باقی ہیں۔ پھر آئیہ بی کیوں جا رہے ہو، یہیں رہو ناں؟

اس ہے، رخصت لکھیں یا قریبی کمال سے فرمایا
لاہور ایڈم ۳۵۔ سکرو وڈ لاہور
مکتبہ عثمانیہ دہلی، ۴۲، راجہ بازار کراچی